انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی —— مدیر: ابوالاعلیٰ سید سبحانی

جلد:۱، شمارہ:۹، نومبر ۲۰۱۶ء / محرم الحرام۔صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی............نئی دہلی

زبیر ملک فلاحی............لکھنؤ

انیس احمد فلاحی............جامعۃ الفلاح

فی شمارہ :	اندرون ملک	۳۰ / روپے
	بیرون ملک	۵ / امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون :	اندرون ملک	۳۰۰ / روپے
	بیرون ملک	۲۰ / امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ :	اندرون ملک	۳۰۰۰ / روپے
	بیرون ملک	۲۰۰ / امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Ali,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Abul Aala Sayyed**

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلی سید سبحانی	۳
بزرگوں کی پیروی میں حق کی مخالفت	مولانا نسیم احمد غازی فلاحی	۵
ہمارے زمانے کا جامعہ	عبدالرب کریمی فلاحی	۸
اسلام کا عائلی نظام۔	ظفر احمد اثری، آسیہ فلاحی، محمد حسن حبیب	۱۹
انسانیت کے لیے رحمت	فلاحی، شمشاد حسین فلاحی، شاکرالاکرم	تا
	فلاحی، اسماء فیروز فلاحی، سراج احمد برکت	۶۰
	اللہ فلاحی، جوہر جاوید، محمد انس فلاحی سنبھلی	
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۱۸)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۶۱
مدارس کے اغراض ومقاصد اور نصاب تعلیم۔۔۔	فرحین اسرار فلاحی	۶۸
نایاب خطوط	ادارہ	۷۶
شعر ونغمہ	حافظ احسان الحق فلاحی عارف آئی،	۸۲
	عزیز نبیل، محمد امین احسن، محمد اکمل فلاحی	
تعارف وتبصرہ	ڈاکٹر ابرار اعظمی	۸۶
آپ کے خطوط	قارئین	۸۸
جامعہ کے لیل ونہار	مصباح الباری فلاحی	۹۰

خط وکتابت وارسال زر کا پتہ

Zeeshan Apartment, F-9, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025

Email: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل نمبر (مدیر مسئول): +91-9811126467

موبائل نمبر (مدیر): +91-9891051676

اپنی بات

آزاد ہندوستان میں تحفظ شریعت کا مسئلہ ایک مستقل مسئلہ رہا ہے۔ آزادی کے بعد وقفے وقفے کے ساتھ حکومت اور عدلیہ کی جانب سے کچھ ایسے اقدامات ہوتے رہے ہیں جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ ہند میں فطری طور پر تحفظ شریعت کو لے کر ایک عمومی قسم کی بے چینی اور حساسیت کی کیفیت عام ہوجاتی ہے اور پھر تحفظ شریعت کے لیے غیر معمولی اتحاد کا ثبوت دیتے ہوئے ملت کے مختلف طبقات اور جماعتوں کی جانب سے انفرادی طور پر بھی اور کل جماعتی پلیٹ فارم سے بھی، مظاہرے، جلسے جلوس اور مختلف مہمات انجام دی جاتی ہیں۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام بھی ملت اسلامیہ ہند کی اسی عمومی بے چینی اور حساسیت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی ہیئت اور مزاج کی تشکیل کچھ اس انداز سے ہوئی کہ جب جب شریعت میں مداخلت کا مسئلہ سامنے آتا ہے اسی وقت اس میں حرکت اور زندگی دیکھنے کو ملتی ہے۔

حالیہ دنوں کچھ مقدموں کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ نے اصول اور روایت کے مطابق کچھ امور کے ضمن میں مرکزی حکومت کا موقف طلب کیا، جس پر طلاق ثلاثہ، تعدد ازواج اور حلالہ پر پابندی کے سلسلے میں حکومت نے حلف نامہ داخل کیا اور پھر یونیفارم سول کوڈ سے متعلق لا کمیشن نے ایک سوالنامہ جاری کیا، جس پر متعین تاریخ کے اندر اندر جواب طلب کیے گئے۔ اس پورے معاملے کو مسلم پرسنل لا بورڈ نے اسلامی شریعت میں مداخلت قرار دیا اور پھر اس مداخلت کے خلاف سخت احتجاج درج کرایا۔ اس احتجاج میں ملت اسلامیہ ہند کے تقریباً تمام ہی طبقات، مسالک اور جماعتوں نے شرکت اختیار کی۔ تادمِ تحریر دستخط مہم جاری ہے، اخبارات میں تردیدی بیانات کا سلسلہ بھی چل رہا ہے اور مختلف جلسے جلوس اور احتجاجی مظاہرے بھی منعقد ہو رہے ہیں۔ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اس سلسلے میں کسی بھی کوتاہی کی گنجائش نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات جس کی جانب کم ہی توجہ دی جاتی ہے وہ یہ کہ تحفظ شریعت کے دو پہلو ہو سکتے ہیں، ایک پہلو یہ کہ حکومتی و عدالتی مداخلت سے اس کو تحفظ فراہم کیا جائے اور دوسرا یہ کہ شریعت کے سلسلے میں موجود ناواقفیت اور غلط فہمیوں کو دور کیا جائے اور اس کے تعارف کو عام کیا جائے۔ تحفظ شریعت جس قدر اہم اور ضروری کام ہے اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری کام تعارفِ شریعت کا ہے۔ تحفظ شریعت اگر وقتی کام ہے تو سوا سو کروڑ آبادی والے اس ملک میں تعارفِ شریعت کا کام مستقل اور ہمہ وقتی کام ہے۔ تحفظ شریعت کا مسئلہ حکومتی اور عدالتی مداخلت کے نتیجے میں سامنے آتا ہے لیکن تعارفِ شریعت کا مسئلہ مستقل مسئلہ ہے، یہ ملک کی پچیس سے تیس کروڑ مسلم آبادی اور قریب سو کروڑ غیر مسلم آبادی کی شریعت اسلامی سے ناواقفیت یا کم واقفیت یا اس سلسلے میں ان کے ذہنوں میں موجود غلط فہمیوں کے تناظر میں ایک لازمی اور ضروری کام ہے۔

تعارفِ شریعت کا کام اس لیے بھی ضروری ہے کہ بہت سے مسائل کی وجہ شریعت کی صحیح صحیح رہنمائی سے عدم واقفیت ہوتی ہے۔ حالیہ دنوں جو مسائل عدالت سے حکومت اور پھر عوام کے درمیان آئے اور جن پر زوروں پر بحثیں چل رہی ہیں، اہل علم کے درمیان بھی اور عوام کے درمیان بھی، سوشل میڈیا پر بھی اور ٹی وی چینلس پر بھی، جن پر مسلم اسکالرس بھی لکھ رہے ہیں اور غیر مسلم اسکالرس بھی، ان مسائل کے سلسلے میں خود مسلم عوام کے درمیان سخت قسم کی ناواقفیت یا غلط رہنمائی موجود ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ اور

مسلم علماء کے کرنے کا کام یہ ہے کہ اس سلسلے میں صحیح شرعی رہنمائی عام کریں۔ یہ بات بہت واضح انداز سے ہمارے ذہنوں میں رہنی چاہیے کہ ملت اسلامیہ ہند آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی ملک کے عمومی قوانین کے برخلاف شریعت اسلامی کے مطابق اپنے معاملات کا حل چاہتی ہے، ملت کے اس جذبے کی قدر کرتے ہوئے ان کے سلسلے میں یک گونہ سنجیدگی کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔

طلاق ثلاثہ کے سلسلے میں یہ واقفیت عام کرنے کی ضرورت ہے کہ صحیح طریقہ طلاق جس پر امت کے تمام فقہاء اور اہل علم کا اتفاق ہے وہ ایک طلاق ایک ایسی پاکی کی حالت میں ہے جس میں بیوی سے قربت نہ اختیار کی گئی ہو۔ اس ایک طلاق سے وہ تمام مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں جو تین طلاق سے آدمی چاہتا ہے اور یہی ایک طلاق اسلام کے نظام رحمت کا حصہ ہے۔ بیک وقت تین طلاق اپنے اوپر بھی ظلم ہے، اپنے بیوی بچوں پر بھی ظلم ہے اور اسلامی شریعت پر بھی ظلم ہے۔ یہ واقفیت بھی عام کرنے کی ضرورت ہے کہ بیک وقت تین طلاق کسی بھی فقیہ کے نزدیک درست طریقہ طلاق نہیں ہے بلکہ ہر کوئی اس کے غلط ہونے کا قائل ہے، اور بیک وقت تین طلاق دے کر ہم اسلام کے نظام رحمت سے انحراف کرتے ہیں۔ یہ واقفیت بھی عام کرنے کی ضرورت ہے کہ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل نہیں ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق طلاق دی جائے تو وہ اسلام کے نظام رحمت کا حصہ ہے اور دیگر مذاہب اور اقوام کے برخلاف اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس میں رشتہ ازدواج کامیاب نہ ہونے کی صورت میں طلاق جیسا ایک فطری نظام موجود ہے۔

حلالہ کے سلسلے میں بھی اسلام کے موقف کو صاف صاف بیان کیا جانا چاہیے کہ قرآن وسنت کی روح سے یہ بالکل ہی متضاد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور کرانے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ حلالہ کے نام پر ایک بہت ہی فحش انڈسٹری بھی آج وجود میں آ گئی ہے، اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ آج بہت سے مفتیان اور فقیہان بغیر کسی پس وپیش کے اس جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ حلالہ کی ضرورت صرف اور صرف اس وجہ سے درپیش ہوتی ہے کہ اسلام کے صحیح تصور طلاق سے لوگ ناواقف ہیں۔ اگر طلاق کے صحیح طریقہ پر عمل کیا جانے لگے تو حلالہ کا مسئلہ ہی سرے سے ختم ہوجائے۔

تعدد ازواج کے سلسلے میں بھی اسلام کے صحیح موقف کو پیش کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں اور اسوۂ رسول میں نیز صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں اس سلسلے میں بہترین رہنمائی موجود ہے۔ آج تعدد ازواج کو خود مسلم سماج میں ایک غلط اور غیر ضروری چیز قرار دے دیا گیا ہے اور جن افراد نے ایک سے زائد شادیاں کی ہیں انہوں نے بالعموم اپنے رویے سے اسلام کا انتہائی غلط تعارف کرایا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس ضمن میں بھی ذہن سازی کی جائے، مردوں کی بھی اور خواتین کی بھی۔ لوگوں کو اسلام کے نظام رحمت کے اس جزو سے صحیح طور پر واقف کرایا جائے۔ آج سماج میں نہ جانے کتنی بیوہ، مطلقہ اور عنوسہ اسلام کے نظام رحمت کی رحمتوں اور برکتوں کے ظہور کا انتظار کرتے کرتے زندگی کی شام کر رہی ہیں۔ حیرت اس وقت ہوتی ہے جب اس سلسلے میں بالکل ہی مدافعانہ انداز اختیار کرتے ہوئے اس بات کی دہائی دی جاتی ہے کہ ''تعدد ازواج عملاً تو دوسروں کے ہاں زیادہ ہے، ہمارے یہاں تو اس کا تناسب بہت ہی معمولی ہے''۔ ضرورت ہے کہ اسلام کا صحیح اور متوازن تعارف اپنے قول وعمل سے کرایا جائے، یا کم از کم خاموشی اختیار کر لی جائے، اسلام ایک فطری اور انسانوں کے لیے رحمت وبرکت رکھنے والا نظام ہے، یہ کسی غیر ضروری استدلال کا محتاج ہر گز نہیں۔

ضرورت ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے ذمہ صحیح شرعی رہنمائی عام کرنے کا کام لے لے، اس سلسلے میں پیدا ہونے والی الجھنوں کا مخصوص مسالک سے اوپر اٹھ کر قرآن وسنت کی روشنی میں واقعی حل نکالنے کی کوشش کرے اور اس سلسلے میں شریعت کے منصوص احکام اور اجتہادی احکام میں فرق پیش نظر رکھے، اس سے نہ صرف تحفظ شریعت کے محاذ پر اسے مضبوطی حاصل ہوگی بلکہ اس کو مستقل زندگی اور حرکت بھی نصیب ہوگی، واللہ ولی التوفیق۔

(ابوالاعلی سید سبحانی)

بزرگوں کی پیروی میں حق کی مخالفت

مولانا نسیم احمد غازی فلاحی، سکریٹری اسلامک ساہتیہ ٹرسٹ

سہ روزہ دعوت مورخہ ۱۶؍دسمبر ۲۰۰۴ء میں عرفان گیلانی صاحب کی تحریر ''مسلمان عورت پر اشتعال انگیز فلم'' شائع ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر ایک بار پھر یہ بات سامنے آئی کہ کس طرح لوگ اسلام کی تصویر کو مسخ کر کے پیش کر رہے ہیں اور یہ گھناؤنا اور قابل مذمت کام یورپ کے مہذب اور ترقی یافتہ ممالک انجام دے رہے ہیں۔ یہی مذموم فریضہ ہمارے ملک کے کئی ایک دانشور اور مذہبی رہنما، اخبارات، ٹی وی چینلس بھی مسلسل انجام دیتے رہتے ہیں جس سے دنیا کے تمام حق پسند لوگوں اور خاص طور سے ملت اسلامیہ کے افراد کے جذبات مجروح ہوتے ہیں اور اس کی ٹیس وہ اپنے سینوں میں محسوس کرتے ہیں۔ کئی بار تو ہم تڑپ تڑپ کر رہ جاتے ہیں مگر سوائے افسوس کے اور کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ اس ظالمانہ رویے کو دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ کیا ہم واقعی علم وسائنس کے دور میں جی رہے ہیں یا دور جاہلیت میں؟

یہ غیر اخلاقی اور مذموم رویہ اختیار کرنے والے افراد یا ادارے وہ ہیں جو نہ تو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ انہیں اس بات پر یقین ہے کہ ایک دن اپنے خالق و مالک کے سامنے انہیں اپنے ہر کام کا حساب دینا ہے اور اسی کے مطابق جزا و سزا پانی ہے۔

لیکن سب سے زیادہ افسوس اور دکھ اس وقت ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہی ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ ملت اسلامیہ کے وہ افراد جو اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اللہ ہمارے دلوں کا حال اور ہماری نیتوں سے باخبر ہے، اپنے ہی ہم مذہبوں کے ساتھ اپناتے رہے ہیں اور اب بھی اپنائے ہوئے ہیں۔ ملت اسلامیہ کے یہ بڑے کہے جانے اور سمجھے جانے والے لوگ، تنظیمیں اور گروہ اپنے دین کے ہی دوسرے افراد اور جماعتوں کی مخالفت میں اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ ان کی باتوں کو مسخ کر کے اور ان کا حلیہ بگاڑ کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ان کی تصویر بالکل خراب ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے وہ ان کی عبارتوں کو توڑنے مروڑنے، سیاق وسباق سے الگ کرنے اور بسا اوقات اپنے طرف سے باتیں گڑھنے میں ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتے۔ کلمہ گو مسلمانوں کو کافر، فاجر، فاسق اور غیر ناجی فرقہ قرار دینے میں انہیں نہ کوئی تکلف ہوتا ہے اور نہ خدا کا ڈر۔

ایک بہت بڑے عالم اور ایک بڑی جماعت کے ذمہ دار سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے فلاں جماعت اور فلاں عالم کے خلاف یہ بے بنیاد کتاب کیوں لکھ ڈالی؟ تو ان بزرگ کا جواب تھا: ''فلاں شخص میرے پیچھے پڑ گیا تھا''۔ گویا ''فلاں'' کے کہنے اور پیچھے پڑنے سے اپنی عاقبت خطرے میں ڈال لینا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے۔

صرف ایک واقعہ

اسی ضمن میں ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک بار میں دہلی سے میرٹھ کی طرف سفر کر رہا تھا۔ پاس کی سیٹ پر ایک صاحب تشریف رکھتے تھے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ دیوبند میں زیر تعلیم ہیں، صرف چند ماہ تکمیل میں باقی رہ گئے ہیں۔ میں نے ان سے وہاں کے نصاب تعلیم کے سلسلے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ حالات حاضرہ کے پیش نظر بھی ہمیں تعلیم دی جاتی ہے۔ خاص طور سے ''فتنۂ مودودیت'' کے بارے میں بتایا اور پڑھایا جاتا ہے۔

میں نے ان پر یہ ظاہر کیے بغیر کہ میں مولانا مودودیؒ کا عقیدت مند ہوں، ان صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے مودودی صاحب کی کوئی کتاب پڑھی ہے؟ ان صاحب نے فوراً جواب دیا'' جی ہاں! بہت کتابیں پڑھی ہیں۔'' میں نے دریافت کیا کہ کسی ایک کتاب کا نام بتائیں۔ وہ کچھ سوچنے لگے، پھر بولے'' کتاب کا نام تو یاد نہیں ہے''۔ میں نے کہا کہ خیر کتاب کا نام یاد نہیں ہے تو یہ بتائیں کہ جو کتاب آپ نے پڑھی ہے وہ کس موضوع پر تھی؟ وہ پھر کچھ سوچنے لگے اور چند لمحوں کے بعد بولے'' اصل بات یہ ہے کہ میں نے مودودی صاحب کی کوئی کتاب نہیں پڑھی ہے بلکہ ہمارے اساتذہ نے ہمیں ان کے بارے میں بتایا ہے اور ان کی کتابیں پڑھنے سے منع کیا ہے تاکہ ہم ان کی کتابیں پڑھ کر گمراہ نہ ہوں۔''

میں نے ان صاحب کا یہ جواب سن کر اپنا سر پیٹ لیا۔ اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے بڑی ہی نرمی کے ساتھ میں نے ان صاحب سے عرض کیا کہ بھائی چند ماہ کے بعد آپ فارغ التحصیل ہو جائیں گے اور مستند عالمِ دین کہلائیں گے۔ لوگوں کی رہنمائی کے منصب پر فائز ہو جائیں گے۔ اگر کسی کی تحریر یا کتاب بڑھ کر خود آپ کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہے تو پھر آپ دوسروں کے باطل نظریات سے کیسے واقف ہوں گے اور لوگوں کو ان سے بچانے کے لیے ان کی رہنمائی کیسے کریں گے؟ کیا کسی کے بارے میں تحقیق کیے بغیر آپ اسے فتنہ پرور یا گمراہ صرف اس لیے کہہ دیں گے کہ آپ کے کسی استاد نے ایسا کہا ہے۔ کیا آپ کا یہ طریقہ عدل وانصاف پر مبنی ہوگا اور خدا کی نظر میں درست ہوگا؟

میں نے اپنے بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ان کے سامنے ایک مثال پیش کرتے ہوئے ان سے عرض کیا کہ ہندوؤں کے ایک بہت بڑے مصلح اور عالم سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب 'ستیارتھ

پرکاش' میں اسلام اور قرآن کے خلاف اول جلول باتیں لکھی ہیں۔ اب اگر سوامی جی کا کوئی شاگرد یا ان کا کوئی پیروصرف اس وجہ سے اسلام اور قرآن کو غلط سمجھے اور ان سے نفرت کرے کہ اس کے سوامی جی نے ایسا لکھا ہے تو کیا اس شاگرد یا پیرو کا یہ رویہ درست ہوگا اور اس کی اسلام دشمنی اور قرآن دشمنی برحق ہوگی؟

میری یہ باتیں سن کر وہ صاحب بے ساختہ بولے، ''نہیں! نہیں! یہ رویہ کبھی درست نہیں ہوسکتا۔ اس کو چاہیے کہ صرف اپنے گرو اور سوامی کے کہنے سے قرآن کو برا نہ سمجھے بلکہ اسے تو قرآن اور اسلام کا مطالعہ کرنا چاہیے اور علمائے دین سے گفتگو کرنی چاہیے اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔''

میں نے عرض کیا کہ یہی رویہ ہمیں بھی تو اپنانا چاہیے۔ میری بات سن کر وہ بولے، '' آپ کی بات بالکل درست ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ دیوبند تشریف لائیں، ہم اپنے اساتذہ سے آپ کی ملاقات کرائیں گے۔''

یہ صرف ایک نمونہ ہے اس ناانصافی کا جس کا رونا ہم دوسروں سے روتے ہیں۔ دوسروں کی ناانصافیوں سے اسلام کا اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا اپنوں کی زیادتیوں اور ناانصافیوں سے ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ ان زیادتیوں اور ناانصافیوں کی تلافی کی کوئی فکر نہیں کی جاتی۔ اس رویے سے ہم نقصان کرنے اور اس کی تصویر مسخ کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مشہور و معروف بزرگ عالم دین مولانا اخلاق حسین قاسمی ظلہٗ نے ابھی حال ہی میں اس طرح کا رویہ اختیار کرنے والوں کے سلسلے میں فرمایا: ''...... (مولانا مودودی) مرحوم اپنے عہد کے بہت بڑے اسلامی صاحب قلم و تحریر تھے اور دینی علوم و مسائل کے ہر شعبے میں مرحوم نے جو پر اثر انداز بیان میں کتابیں چھوڑی ہیں وہ موجودہ عہد کے ذہن کو اپیل کرتی ہیں اور وہ امت کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ میں مرحوم کے ہم عصر علماء اور ان کے درمیان موازنہ نہیں کرتا کہ سوئے ادب پیدا ہونے کا خطرہ ہے ورنہ یہ حقیقت ہے کہ تفسیر، حدیث، کلام اور فقہ و تاریخ میں جتنا کام مرحوم سے اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، اس میں وہ تنہا نظر آتے ہیں۔ ہمیں مرحوم کے تصورات پر تنقید کرتے ہوئے اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے تاکہ مرحوم کی قابلِ اعتراض تحریروں کے ساتھ ان کی مفید اور باثر تحریروں سے استفادہ کا دروازہ بند نہ ہوجائے جو اسلام کا نقصان ہے۔'' (ماہنامہ اردو سائنس دہلی، جون ۲۰۰۴ء)

یہ بات ہمیشہ ہمارے سامنے رہنی چاہیے کہ ایک صحت مند معاشرے کے لیے تنقید و تبصرہ نہایت ضروری ہے، لیکن عدل و انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے اور اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہمیں ایک روز اپنے حاکم حقیقی کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس کے سامنے جواب دہی کرنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رب کے حضور پیشی کا یہی تصور کسی شخص، جماعت یا گروہ کو حق و انصاف اور اعتدال پر قائم رکھنے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔

ہمارے زمانے کا جامعہ

عبدالرب کریمی فلاحی، نئی دہلی۔موبائیل نمبر:09818869018

(گزشتہ شماروں میں فضیلت سے فارغ ہونے والے ہمارے فلاحی بھائیوں نے اپنے زمانہ طالب علمی کی کچھ یادیں اور تاثرات ہمارے ساتھ شیئر کیے تھے،اس ماہ ۱۹۸۰ء میں فضیلت سے فارغ ہونے والے ہمارے ایک برادر بزرگ کی تحریر پیش خدمت ہے۔ ان شاء اللہ اس کالم سے ہمارے لیے ابتدائی دور کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے، ابتدائی لوگوں کے خوابوں اور تمناؤں سے آشنا ہونے، اس کی روشنی میں حال کا جائزہ لینے اور مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کرنے میں آسانی ہوگی۔ **مدیر)**

ابتدائی تعلیم (پانچویں تک) اپنے گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد قریب ایک سال اسی درس گاہ میں رہ کر جامعۃ الفلاح میں عربی اول میں داخلہ کے لیے بنیادی تیاری کی، والد مرحوم کی خواہش تھی کہ میری آگے کی تعلیم جامعۃ الفلاح میں ہو۔

یہ بات میرے لیے خوشی کا باعث تھی کہ گاؤں سے نکل کر دور ہاسٹل میں رہ کر پڑھنے کا موقع ملے گا۔اس وقت میرے چھوٹے سے گاؤں سے چار طلبہ جامعہ میں زیر تعلیم تھے جب وہ چھٹیوں میں گھر آتے تو انہیں دیکھ کر وہاں جانے اور پڑھنے کی خواہش بڑھ جاتی تھی۔

بچپن میں درسی کتابوں کے علاوہ کہانیاں اور سیرت پر کتابیں پڑھنے کا شوق تھا، کہیں سے بچوں کا رسالہ ماہنامہ ''نور'' رام پور کے کچھ شمارے مل گئے تھے، اس وقت نور کے ایڈیٹر جناب مائل خیرآبادی مرحوم تھے، میں نے ان شماروں کو ایک سے زائد بار پڑھا ہوگا۔اس میں ایک مضمون جامعۃ الفلاح کے کسی طالب علم کا تھا، مضمون کیا ایک سبق آموز کہانی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر میں بھی جامعۃ الفلاح گیا تو شاید اس طرح لکھ سکوں گا۔ یہی وجہ تھی کہ جامعۃ الفلاح میں داخلہ اشتیاق بڑھتا چلا گیا۔

نومبر ۱۹۷۲ء کی ایک شام اپنی درس گاہ کے صدر مدرس اور جماعت اسلامی ہند کے ناظم ضلع مولانا

ممتاز احمد مرحوم اور ناظم ڈویژن (گورکھپور) مولانا شبیر احمد صدیقی مرحوم کے ہمراہ جامعہ پہنچا، دوسرے دن مولانا رحمت اللہ الاثری صاحب نے عربی اول کے لیے میرا ٹسٹ لیا۔ ایک ماہ قبل تعلیمی سیشن شروع ہو چکا تھا۔ مولانا محترم نے داخلہ کے لیے سفارش کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ ایک ماہ کے پڑھے ہوئے اسباق کو پورا کرنا ہے۔ اس وقت مولانا عربی اول میں نحو پڑھاتے تھے۔ مولانا محترم نے مجھ سے فرمایا روز فجر کے بعد پڑھنے کے لیے ان کے کمرہ میں آجایا کروں چنانچہ مولانا نے میرے چھوٹے ہوئے اسباق کو مکمل کرایا۔ اللہ استاذ محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جامعہ میں میرا تعلیمی سلسلہ ۱۹۷۲ء (عربی اول) سے فضیلت کی تکمیل ۱۹۸۰ء تک رہا، میرے داخلہ کے وقت جامعہ میں فضیلت کی تکمیل عربی ہشتم میں ہوتی تھی۔ بعد میں ۱۹۷۸ء ایک سال کم کر کے ہفتم تک کر دیا گیا۔

اس وقت جامعہ میں صرف دو پختہ عمارتیں تھیں ایک دو منزلہ ہاسٹل جسے بعد میں حسن البنا کا نام دیا گیا اور دوسری عمارت ثانوی اور عربی درجات کے لیے مخصوص تھی۔ اسی عمارت کے وسط میں ایک ہال تھا جس میں فضیلت کے کلاس ہوا کرتے تھے۔ اسی میں جمعیۃ الطلبہ کے ہفتہ وار پروگرام وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ اس کے (اندرونی) دونوں اطراف دائیں اور بائیں دو کمرے تھے، ایک میں مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب اور دوسرے میں مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب کی رہائش تھی۔ ہال کے اوپر (پہلی منزل) جامعہ کا کتب خانہ تھا جس میں عربی درجات کی درسی کتب ہوتی تھیں، کتب خانہ سے سال کی ابتداء میں طلبہ کو کتابیں ایشو کی جاتی تھیں۔ اسی عمارت کے گراؤنڈ فلور کے ایک کمرے میں ہال سے متصل جمعیۃ الطلبہ کی لائبریری تھی جو عصر تا مغرب پابندی سے کھلتی تھی۔ طلبہ اپنے مطالعہ کے لیے کتابیں ایشو کراتے تھے۔ ہال سے متصل شمال کی طرف مولانا جلیل احسن ندویؒ کا رہائشی کمرہ تھا۔ نیچے کے باقی کمروں اور برآمدے میں ثانوی درجات تھے اور پہلی منزل پر عربی درجات تھے۔ ۱۹۷۹ء میں جب ثانوی درجات کے لیے مطبخ کے شمال میں ایک بلڈنگ طیبہ منزل کے نام سے بن گئی اور حسن البنا ہاسٹل میں جگہ تنگ ہونے لگی تو موجودہ مودودی ہاسٹل کے گراؤنڈ فلور کو ہاسٹل میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس ہاسٹل کی ابتداء ہم عربی ششم اور عربی ہفتم کے طلبہ سے ہوئی تھی۔ اسی سال ستمبر ۱۹۷۹ء میں بانیٔ تحریک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا تھا۔ مودودی ہاسٹل کو یہ نام پہلی بار میں نے ہی دیا تھا۔

مذکورہ دونوں عمارتوں کے علاوہ مسجد اور مودودی ہاسٹل کے درمیان ایک چھوٹی سے دومنزلہ عمارت تھی۔ گراؤنڈ فلور پر دفتر نظامت تھا اور فرسٹ فلور کے دو کمروں میں جامعہ سے متعلق مہمان وغیرہ قیام کرتے تھے۔ مطبخ کی ایک مستطیل نما کھپریل کی عمارت تھی جس کا حدود واربعہ اس طرح تھا: گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی ایک پختہ نسبتاً بڑا کمرہ مطبخ کے منیجر جناب منشی جنید احمد مرحوم (اللہ غریق رحمت فرمائے) کا تھا، مرحوم اسی میں قیام فرماتے تھے اور یہی ان کا دفتر بھی تھا۔ حساب کتاب میں بہت محتاط تھے، طلبہ کے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ اس دفتر سے متصل دائیں طرف کا کچھ حصہ بطور گودام استعمال ہوتا تھا، باقی حصہ میں کھانا پکایا جاتا تھا۔ سامنے روٹیاں بنتی تھیں بائیں طرف ایک بڑا ڈائننگ ہال تھا جس کے فرش پر بیٹھ کر طلبہ کھانا کھاتے تھے۔ ایک رو (Row) میں سینئر طلبہ اور دوسری رو (Row) میں چھوٹے طلبہ ہوتے تھے۔ کھانا کھلانے کا پورا نظم طلبہ کرتے تھے۔ دوپہر اور رات کے کھانے کے لیے طلبہ کی باریاں مقرر تھیں جس میں ۱۲/ سے ۱۵/ افراد ہوتے تھے، ان کا ایک مانیٹر ہوتا تھا، کھانا کھانے کے دوران ہال میں شور بالکل نہیں ہوتا تھا۔ دال، روٹی اور چاول کے لیے الگ الگ اشارے موجود تھے، ان کی مدد سے باری کے طلبہ کھانا سرو کرتے تھے، البتہ سبزی یا گوشت پہلے سے پلیٹوں میں سرو کر دیا جاتا تھا۔ اس وقت ناشتہ میں صرف چنے دیئے جاتے تھے جسے مطبخ کا عملہ پہلے ہی پلیٹوں میں سرو کر دیتا تھا۔ اس لیے اس میں باری کے طلبہ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ کھانا کھلانے کے بعد باری کے طلبہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ اس طرح ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں ڈھائی سو سے زائد طلبہ پرسکون انداز میں کھانا کھالیتے تھے۔ طلبہ کی نگرانی کے لیے کبھی کبھی ہمارے سینئر اساتذہ یا صدر مدرس آیا کرتے تھے۔ اس طرح جامعہ میں کھانا کھلانے اور کھانے کا بہت منفرد نظم تھا۔ ایمرجنسی کے بعد جامعہ میں گورکھپور ڈویژن کا سہ روزہ اجتماع عام ہوا تھا، طلبہ نے اس اجتماع میں بالخصوص کھانا کھلانے میں تعاون کیا، اس اجتماع میں امیر جماعت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور مولانا سید حامد علیؒ مرکز سے تشریف لائے تھے۔

اس زمانے میں جامعہ میں سرکاری لائٹ کی سپلائی تو تھی لیکن بہت ناقص نظام تھا۔ لائٹ کبھی دن میں رہتی تو کبھی رات میں۔ ہاسٹل کے ہر کمرے میں روشنی کے لیے صرف ایک بلب لگانے کا سسٹم تھا۔ ہاسٹل یا کلاس روم میں پنکھے نہیں ہوتے تھے البتہ مسجد کا اندرونی حصہ بن چکا تھا اور اس میں بلب کے ساتھ پنکھے بھی لگ چکے تھے۔ مطبخ میں بھی صرف بلب ہوتے تھے۔ اس دور میں ہر طالب علم کے لیے

لالٹین رکھنا ضروری ہوتا تھا بلکہ جامعہ کے پروسپیکٹس میں لکھا ہوتا تھا کہ داخلہ کے وقت ہر طالب علم کے ساتھ لالٹین، لوٹا اور چارپائی ضروری ہے۔ حسن البنا ہاسٹل کے سامنے دو ہینڈ پمپ لگے ہوئے تھے نیز ایک مسجد کے جنوب کے طرف تھا، انہی تینوں ہنڈ پمپ کے ذریعہ تمام طلبہ اور اساتذہ کرام ضروریات (پینے، نہانے اور کپڑے دھونے) کی تکمیل کرتے تھے۔ ہینڈ پمپ کے چبوتروں پر طلبہ اپنے کپڑے دھوتے اور غسل کرتے تھے۔ حسن البنا منزل میں ٹوائلٹ کے قریب تین تین غسل خانے اوپر اور نیچے بنے ہوئے تھے لیکن ان کا استعمال نہیں ہوتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ پانی دور سے لانا پڑتا تھا۔ غالباً ۱۹۷۶ء میں مسجد کے قریب ایک اور حسن البنا ہاسٹل کے قریب ہینڈ پمپ سے متصل تین غسل خانے بنوائے گئے، لیکن یہاں بھی پانی کی سپلائی کا کوئی سسٹم نہیں تھا۔

ہمارے زمانے میں ہاسٹل کے سینئر اور جونیئر طلبہ میں کوئی دوری نہیں تھی۔ چھوٹے بڑوں کی عزت کرتے تھے اور بڑے اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے۔ میں نے سات سال وہاں گزارے، کبھی ایسا دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا کہ طلبہ نے آپس میں جھگڑا اور لڑائی کی ہو۔ طلبہ ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے، اس وقت جامعہ میں کسی طرح کی دکان یا اسٹور وغیرہ نہیں تھا، بازار بھی قدرے دور تھا، بڑا مسئلہ لالٹین کے لیے تیل کا ہوتا تھا، طلبہ اپنے پاس بوتلوں میں محفوظ رکھتے تھے، اگر کسی کے پاس نہیں ہے تو اس کی مدد کرتے تھے، اسی طرح اگر ہاسٹل میں کوئی بیمار ہو جاتا تو طلبہ کے ساتھ اساتذہ بھی فکرمند ہوتے تھے۔ جامعہ میں مہمان خانہ نہیں تھا، مہمان ہاسٹل میں رہتے۔ مہمان کسی کا بھی ہوتا اس کی خدمت کرنا سب اپنا فرض سمجھتے تھے۔

ہمارے زمانے میں طلبہ کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرنے میں جمعیۃ الطلبہ کا بہت اہم رول رہا ہے۔ جمعیت کے تحت الگ الگ گروپوں میں عربی، اردو اور انگریزی میں جمعرات کی شام میں تقریروں کے پروگرام ہوتے تھے۔ اسی طرح تینوں زبانوں میں الگ الگ ماہنامہ قلمی رسالے نکلتے تھے۔ کبھی کبھی ان قلمی رسالوں کے خصوصی نمبر بھی شائع ہوتے تھے۔ ۱۹۷۹ء میں مولانا مودودی علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد سبھی رسالوں نے مولانا مرحوم پر خصوصی نمبر شائع کیے تھے۔ جمعیت کے تحت مذکورہ علمی سرگرمیوں کے علاوہ لائبریری، مطبخ (کھانا کھلانے) کے انتظامات، مسجد اور ہاسٹل کے ٹوائلٹ وغیرہ کی صفائی بھی طلبہ انجام دیتے تھے۔

ہمارے زمانے میں ایمرجنسی کا تاریک دور بھی آیا تھا، یوں تو جامعہ میں کئی ارکان جماعت تھے

لیکن گرفتاری صرف مولانا نظام الدین اصلاحی کی ہوئی تھی۔ مولانا محترم اعظم گڑھ جیل میں پورے ۱۹/ماہ رہے۔ مولانا ابواللیث اصلاحیؒ اور مولانا صدرالدین اصلاحیؒ بھی ابتدا میں اسی جیل میں تھے، چند ماہ بعد یہ دونوں بزرگ سینٹرل جیل یعنی الہ آباد منتقل کر دیئے گئے تھے۔ ایمرجنسی میں جامعہ کے معمولات بغیر کسی آزمائش کے بدستور چلتے رہے۔ اعظم گڑھ جیل میں مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب کے ساتھ حزب مخالف کے لیڈر رام نریش یادو بھی تھے جو ایمرجنسی کے فوراً بعد جنتا پارٹی کے دور حکومت میں یوپی کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے، وہ مولانا کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وزیر اعلیٰ رہتے ہوئے کئی بار مولانا سے ملنے جامعہ آئے۔ ایک بار مولانا کے کمرے میں ہم لوگوں سے کہنے لگے کہ مولانا ہمارے گرو (استاذ) ہیں، میں نے جیل میں مولانا سے اردو پڑھی ہے۔

ہمارے زمانے میں طلبہ کی کل تعداد کتنی تھی یہ بتانا تو مشکل ہے البتہ ہاسٹل میں ۲۵۰/سے ۳۰۰/تک طلبہ تھے۔ ایمرجنسی کے بعد طلبہ کی تعداد میں سال بہ سال اضافہ ہوتا گیا، جہاں تک مجھے یاد ہے اساتذہ کی تعداد ۳۵/سے ۴۰/تھی۔

جامعہ میں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان بہت خوش گوار تعلقات تھے۔ طلبہ کے لیے ہر استاذ شفیق باپ کی طرح تھا۔

میرا خیال ہے اس وقت جو ماحول میں نے جامعہ میں دیکھا، اس جیسا ماحول میں نے پھر کہیں اور نہیں دیکھا، جس طرح ایک والد اور سرپرست کو اپنے بیٹے پر ہر پہلو سے نظر ہوتی ہے، اسے ہر حال میں اچھا دیکھنا چاہتا ہے، یہی حال ہمارے اساتذہ کرام کا تھا جو ہماری تعلیم کے ساتھ ہماری تربیت پر گہری نظر رکھتے تھے، حتیٰ کہ طلبہ کی صحت اور ان کے دیگر نفع نقصان کو بھی نگاہ میں رکھتے تھے۔ اس کی بہت ساری مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اساتذہ کرام میں طلبہ کے تئیں اپنائیت کا جذبہ تھا۔ طلبہ بھی اپنے مشفق اساتذہ پر جان چھڑکتے تھے۔ جامعہ میں اساتذہ طلبہ سے اپنا ذاتی کام نہیں لیتے تھے لیکن ہر طالب علم کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ ان کے کسی کام آجائے۔

بانیان جامعہ کے پیش نظر اس کے قیام کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسے عصری اور دینی تعلیم کا سنگم بنایا جائے۔ جامعہ کے تعلیمی اور تربیتی پہلو کو اس کے مقاصد سے ہم آہنگ کرنے کی پوری کوشش کی جاتی تھی۔ جامعہ کے سینئر اساتذہ جماعت اسلامی ہند سے وابستہ تھے، اس لیے ان کی فطری خواہش ہوتی تھی کہ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ نہ صرف جماعت سے وابستہ ہوں بلکہ اس میں

اہم رول ادا کریں، اسی نہج پر طلبہ کو تربیت دی جاتی تھی۔

ہمارے اساتذہ میں مولانا جلیل احسن ندویؒ، مولانا شبیر احمد اصلاحیؒ، مولانا صغیر احسن اصلاحیؒ، مولانا عبدالحسیب اصلاحی، مولانا نظام الدین اصلاحی، مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی، مولانا سلامت اللہ اصلاحی، مولانا ابوبکر اصلاحیؒ، مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی، مولانا محمد عمران فلاحی، مولانا محمد اقبال قاسمیؒ، ماسٹر اکرام الدین احمد صاحب، ماسٹر عبدالحکیمؒ اور ماسٹر سید عبداللہ جیسے قدآور اساتذہ شامل تھے۔

یہ اساتذہ کرام اپنے دور کے نہ صرف بہترین استاذ بلکہ اچھے مربی بھی تھے۔ اس وقت ہندوستان کی بہترین صلاحیتیں جامعہ میں موجود تھیں۔

مولانا جلیل احسن ندویؒ نہ صرف جامعہ بلکہ پورے ملک میں اپنے دور میں قرآن اور عربی ادب کے مایہ ناز استاذ تھے، مولانا کی ان صلاحیتوں کے معترف بہت سے ہم عصر علماء تھے، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے تھے، دونوں بزرگ علماء میں بہت قربت تھی، ایمرجنسی کے زمانے ۱۹۷۵ء میں ندوہ میں ایک پچاسی سالہ جشن ہوا تھا، اس میں شرکت کے لیے مولانا علی میاںؒ نے مولانا جلیل احسن ندویؒ کو خصوصی مکتوب تحریر فرمایا تھا، تاہم بعض مجبوریوں کی بنا پر مولانا اس جشن میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔

راقم نے مولانا سے عربی ششم اور عربی ہفتم میں قرآن کریم، عربی ادب اور بخاری شریف پڑھی ہے۔ مولانا کے تدریس کا انداز بہت منفرد تھا۔ قرآن پڑھاتے ہوئے طلبہ کے ذہنوں میں سوالات پیدا کرکے ان سے حل کراتے۔ مختلف تفاسیر قدیم وجدید اور لغات کی طرف رہنمائی فرماتے۔ مولانا اس بات کے قائل تھے کہ طلبہ مطالعہ کرکے آئیں۔ اس پر خود بھی سختی سے عمل کرتے تھے۔ مولانا اپنے علم وفضل کے لحاظ سے جامعہ کے سینئر استاد تھے۔ اس لیے اساتذہ بھی ان سے رجوع کرتے تھے۔ کلاس کے اوقات کے علاوہ بھی طلبہ اپنے علمی مسائل لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور مولانا نہایت خوش دلی سے ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔

مولانا مرحوم جماعت اسلامی کی تشکیل کے بعد دارالسلام پٹھان کوٹ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمۃ کے ساتھ کچھ وقت رہ چکے تھے بعد میں ثانوی درس گاہ رام پور میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآن پڑھایا تھا۔ مولانا مرحوم کبھی کبھی جماعت کی ابتدائی دور کے واقعات کا تذکرہ بھی کرتے تھے۔ قرآن کریم کی تدریس، اس پر تدبر اور غوروفکر مولانا کا محبوب مشغلہ تھا۔ طلبہ سے ہمیشہ

فرماتے کہ اپنا زیادہ وقت قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں صرف کریں۔قرآن پڑھتے اور اس پر غور وفکر کرتے مولانا دنیا سے رخصت ہوئے۔

مولانا شبیر احمد اصلاحی ایک طویل عرصہ تک (الگ الگ سالوں میں) صدر مدرس (Principle) رہے۔اس زمانے میں مہتمم کا عہدہ نہیں ہوتا تھا۔صدر مدرس ہی طلبہ کی تعلیم وتربیت اور دیگر امور کا ذمہ دار ہوتا تھا۔مولانا مرحوم مزاج کے سخت ضرور تھے لیکن ان کی سختی اور تادیب میں ہمدردی کا پہلو نمایاں رہتا تھا۔جامعہ کی تعمیر وترقی میں مولانا نے انتھک کوششیں کی ہیں۔راتوں کو جاگ کر طلبہ کی نگرانی کرتے تھے، جبکہ ہاسٹل کے الگ الگ حصوں کے لیے نگراں (اتالیق) متعین تھے۔اس زمانے میں مولانا عربی سوم میں عربی گرامر (قواعد اللغۃ العربیۃ) پڑھاتے تھے۔پوری کتاب مولانا کو ازبر تھی۔جن طلبہ نے مولانا سے یہ کتاب پڑھی ہے وہ اس کے گواہ ہیں۔مولانا مرحوم انتظامی امور اور تدریس کے علاوہ باغبانی کا بھی بہت اچھا ذوق رکھتے تھے۔مسجد کے قریب اور حسن البنا ہاسٹل کے سامنے طلبہ کو ساتھ لے کر کیاریاں بناتے اور اس میں پیڑ پودے لگاتے تھے۔مولانا مرحوم بہت خوش خط تھے جب کبھی جامعہ کے لیے بینر وغیرہ بنانا ہوتا تو خود ہی بناتے اور بہت اچھا بناتے تھے۔

مولانا مرحوم میں یہ خوبی تھی کہ وہ طلبہ سے بہت محبت کرتے تھے۔کبھی کبھی کلاس میں اپنے طویل تجربات کی روشنی میں ہمیں نصیحتیں بھی کرتے تھے۔ایک بار کسی مسئلہ پر مجھ سے خفا ہوگئے دوسرے دن فرمایا کہ میں اس لیے سختی کرتا ہوں کہ تم لوگ اچھے طالب علم بن جاؤ، اور جس مقصد کے لیے یہاں آئے ہو اس میں کامیابی حاصل کرو۔

مولانا نظام الدین اصلاحی سے ہم لوگوں نے قرآن اور حدیث پڑھا۔مولانا کو تحریک اسلامی سے والہانہ لگاؤ تھا۔تحریک اسلامی ہند اور عالمی اسلامی تحریکات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ملکی سیاست اور اس کے اتار چڑھاؤ کا بہت باریکی سے تجزیہ کرتے تھے۔مولانا بہت یقین کے ساتھ کہتے تھے کہ آنے والی صدی اسلام کی ہوگی۔۱۹۷۹ء میں انجمن طلبہ قدیم کے ایک اجلاس میں اسی موضوع پر ایک مذاکرہ ہوا، جس کی صدارت مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدیر برہان دہلی کر رہے تھے۔ ناظم جامعہ مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی بھی اسٹیج پر موجود تھے۔مولانا نظام الدین اصلاحی نے قرآن کے حوالوں کے ساتھ ایک پرمغز تقریر کی۔مولانا اکبرآبادی مرحوم نے اپنے صدارتی خطاب میں مولانا اصلاحی کی تقریر کو خوب سراہا۔

مولانا عبدالحسیب اصلاحی قرآن اورعربی ادب کے استاد تھے۔مولانا کوعربی زبان وادب پرعبور حاصل تھا۔مولانا کا شمار جامعہ کے ان اساتذہ میں ہوتا تھا جنھوں نے اپنے خون و پسینے سے جامعہ کی آبیاری کی تھی۔مولانا جامعہ کے صدرمدرس بھی رہے ہیں۔جامعہ کی عظیم الشان مسجد کی تعمیر استاد محترم کی محنتوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔جہاں تک میرے علم میں ہے اس کے فنڈ کا بڑا حصہ مولانا محترم نے ملک اور بیرون ملک کے سفر سے پورا کیا تھا۔

مولانا صغیراحسن اصلاحیؒ نے ہمیں فقہ اور حدیث پڑھائی ہے۔مولانا مرحوم ایک اچھے استاد کے ساتھ اچھے مربی بھی تھے۔مولانا نے کبھی طالب علم اوراستاد کے درمیان بے جا تقدس کی دیوار نہیں حائل ہونے دی۔مولانا جب بھی کسی عربی یا اردو کتاب کا مطالعہ کرتے تو اس کے مفید پہلو کا ذکر طلبہ سے ضرور کرتے۔جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مشہور کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' پر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تنقیدی کتاب ''عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح'' آئی تو مولانا مرحوم نے ہم لوگوں سے فرمایا صحیح نقطۂ نظر سے واقفیت کے لیے دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی قرآن کے استاد تھے۔مولانا سے ہمارے بیچ نے عربی سوم میں قرآن پڑھا تھا۔جامعہ میں اسی کلاس سے قرآن پڑھنے کی ابتداء ہوتی تھی۔مولانا طلبہ میں قرآن کی روح پھونک دیتے تھے۔اس انداز سے قرآن پڑھاتے تھے کہ اگر کوئی طالب علم چاہے تو اسی طرز پر آگے قرآن کا مطالعہ جاری رکھ سکتا ہے۔قرآن اور دیگر مضامین کے طریقۂ تدریس میں جامعہ کا یہ امتیاز تھا۔ مولانا سبحانی صاحب دیگر تفاسیر کے علاوہ فکر فراہی پر گہری نظر رکھتے تھے۔مولانا اس زمانے میں جامعہ کی مسجد میں جمعہ کے خطبے دیتے تھے۔آپ کے خطبے بہت پسند کیے جاتے تھے۔مولانا نے کئی سال بلریا گنج کی عیدگاہ میں عیدین کے خطبے بھی دیئے۔بعد میں ان خطبات پر مشتمل ''میرا پیام اور ہے'' کے نام سے کتاب بھی شائع ہوئی تھی۔مولانا نے امام حسن البنا شہیدؒ اور سید قطب شہیدؒ کی عربی کتابوں کے اردو میں ترجمے بھی کیے تھے اوران شخصیات سے بہت متأثر تھے۔اس وقت ''محمد عربیؐ'' سمیت مولانا کی کئی کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔

مولانا ابوبکر اصلاحیؒ فقہ اور حدیث کے استاذ تھے۔مولانا جامعہ کے ابتدائی دور میں کئی سال تک ناظم جامعہ بھی رہ چکے تھے۔جماعت اسلامی ہند یوپی مشرق کے ذمہ دار بھی تھے۔مولانا جامعہ میں بطور استاذ ایمرجنسی کے بعد تشریف لائے تھے۔

ماسٹر اکرام الدین احمدؒ (ریٹائرڈ پرنسپل مجیدیہ کالج الہ آباد) بنیادی طور پر سائنس کے استاد تھے۔ آپ کی ایک کتاب ''تخلیق آدم قرآن کی روشنی میں'' مرکزی مکتبہ سے شائع ہوئی تھی۔ جامعہ میں انگریزی اور سیاسیات کے استاد تھے۔

ماسٹر عبدالحکیم صاحب شبلی کالج اعظم گڑھ سے ریٹائرڈ تھے۔ جامعہ میں معاشیات کے استاد تھے۔ عصری تعلیم حاصل کرنے کے باوجود دینی علوم سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔قرآن کا بہت اچھا درس دیتے تھے حتیٰ کہ اس کی باریکیوں پر نظر رکھتے تھے۔شعر وادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔پرانے شعراء کے سیکڑوں اشعار ازبر تھے۔بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔

ماسٹر سید عبداللہ صاحب انگریزی کے بہت اچھے استاد تھے چار دہائیوں سے زائد جامعہ سے وابستہ رہے حالانکہ اس دوران بہت ساری پریشانیوں اور مشکلات کے شکار رہے۔مدارس اور اردو میڈیم کے طلبہ کے لیے آپ نے گرامر کی ایک جامع کتاب بھی تیار کی ہے۔

اس کالم کے تحت تمام اساتذہ کرام کا تذکرہ بہت مشکل ہے، تاہم یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جامعہ کے تعلیمی وتربیتی نظام کو بہتر بنانے میں جامعہ کے ایک ایک استاذ کا اہم کردار رہا ہے۔ ہمارے جو اساتذہ وفات پا چکے ہیں اللہ سے دعا ہے کہ ان کے درجات بلند ہوں، جو حیات ہیں انھیں اللہ صحت اور تندرستی عطا فرمائے اور ان کا فیض تادیر جاری رکھے، آمین۔

ہمارے زمانے میں جامعہ کے صرف دو معروف ذمے دار ایک ناظم اور دوسرے صدر مدرس ہوا کرتے تھے۔ جامعہ کی تعمیر وترقی میں اس وقت کے ذمے داران کے علاوہ سینئر اساتذہ کرام کا اہم رول تھا۔اس کی تعمیر وترقی میں چاہے وسائل کی فراہمی ہو، طلبہ کی تربیت ہو، یا معیار تعلیم، اس کے لیے ہر وقت کوشاں اور فکر مند رہتے، نیز اس کے لیے ممکنہ تدابیر اپناتے تھے۔ذمے داران اور اساتذہ کی کوشش یہی رہی کہ جامعہ کے طلبہ دیگر مدارس کے طلبہ سے ہر معاملے میں ممتاز ہوں۔

قصبہ بلریا گنج اور اطراف کے لوگوں کا رویہ جامعہ کے طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا اور ہمدردانہ تھا۔مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی طلبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔اکثر بازار میں یا دکانوں پر کوئی سامان خریدتے وقت خصوصی رعایت دیا کرتے تھے۔انہیں بھی اس بات کا احساس تھا کہ یہ طلبہ باہر سے آئے ہوئے ہیں اس لیے ان کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ایک بار ہمارے ایک ساتھی کی غلطی کی وجہ سے ایک ہوٹل والے کے کئی گلاس ٹوٹ گئے۔ہم لوگ پریشان بھی ہوئے لیکن ہوٹل

کے مالک نے کہا کوئی بات نہیں ایسا ہوجاتا ہے۔ میرے سات سالہ قیام جامعہ میں کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں پیش آیا جو وہاں کے لوگوں کے عدم تعاون کی مثال بن سکے۔

اپریل ۱۹۷۹ء میں جامعہ میں فوڈ انفیکشن کی وجہ سے بڑی تعداد میں چھوٹے طلبہ بیمار ہو گئے تھے۔ ابتدا میں جامعہ کے سامنے وکاس کے سرکاری ڈسپنسری میں علاج کے لیے طلبہ کو داخل کیا گیا تھا، بعد میں صدر ہسپتال اعظم گڑھ منتقل کیا گیا۔ اس وقت بھی قصبہ کے لوگوں کا تعاون ملا۔ جمعیۃ الطلبہ کے سالانہ اجلاس میں بلریا گنج اور اطراف سے بڑی تعداد میں لوگوں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ لوگ پروگرام میں شریک ہوتے اور جمعیت کو مالی تعاون بھی دیتے تھے۔

جامعہ کی تعمیر وترقی میں بلریا گنج اور اطراف کے لوگوں کا کافی تعاون رہا ہے۔ ابتدا میں جامعہ کی نہ تو شہرت تھی اور نہ ہی وسائل کی فراوانی، ایسے میں مقامی لوگوں کی کوششوں اور تعاون سے جامعہ آگے بڑھا۔ جامعہ کی تاریخ میں حکیم محمد ایوبؒ کا نام سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ طلبہ اور اساتذہ کے لیے مفت علاج کی سہولیات کے علاوہ بھی مختلف طرح سے تعاون کرتے رہتے تھے۔ جامعہ کی تعمیر وترقی میں مرحوم کا اہم رول ہے۔

۱۹۷۹ء میں عالم عرب (مراکش) کے بڑے عالم دین علامہ تقی الدین الہلالی جامعہ تشریف لا رہے تھے۔ اس وقت جامعہ میں کوئی مہمان خانہ یا ایسی بلڈنگ نہیں تھی جہاں کوئی بیرونی مہمان قیام کر سکتا ہو۔ ایسے وقت میں حکیم صاحب مرحوم نے اپنے مطب کی پہلی منزل کو جس میں کشادہ کمرے اور باتھ روم وغیرہ کی سہولت تھی معزز مہمان کے قیام کے لیے مخصوص کیا۔ نیز ان کی ضیافت کا حق بھی ادا کیا۔ حکیم صاحب اس قدر خوش تھے جیسے جامعہ کے نہیں بلکہ ان کے اپنے مہمان ہوں۔ یہ حکیم صاحب کی اعلیٰ ظرفی تھی۔

علامہ تقی الدین الہلالی ندوہ میں مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے استاذ رہ چکے تھے۔ مولانا ابواللیثؒ ان کے عزیز شاگرد تھے۔ حسن اتفاق سے اس وقت مولانا ہی جامعہ کے ناظم تھے۔

جس وقت جامعہ کا قیام عمل میں آیا اس وقت ہندوستان میں درس نظامی کے نصاب پر سیکڑوں مدارس چل رہے تھے جہاں سے ہر سال فضلاء بڑی تعداد میں نکل رہے تھے، ان کی بڑی تعداد عوام کی بھیڑ میں گم ہوجاتی تھی، ایسے حالات میں جامعہ کے ذمہ داروں نے عام روایت سے ہٹ کر اسے عصری

اور دینی علوم کا مرکز بنانے کی کوشش کی، الحمدللہ بانیان جامعہ اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب ہوئے۔

جامعہ کے بارے میں ہم نے اور ہمارے اساتذہ کرام نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر اب کسی حد تک نظر آرہی ہے۔

ہمارے اساتذہ کا خواب تھا کہ یہاں کے فارغین دوسرے مدارس کے فضلاء سے ممتاز ہوں۔ نہ صرف تعلیمی میدان میں نمایاں ہوں بلکہ وہ اعلیٰ کردار کے حامل بھی ہوں۔

ہمارے اساتذہ کی خواہش تھی کہ جامعہ سے تحریک اسلامی کو تازہ دم افراد فراہم ہوں یہاں سے حقیقی معنوں میں داعی پیدا ہوں جو کفر وشرک میں ڈوبی انسانیت کو فلاح ونجات کی صراط مستقیم دکھانے والے ہوں۔ الحمدللہ آج فارغین جامعہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی خدمات پیش کررہے ہیں۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا خواب پوری طرح شرمندۂ تعبیر ہوا ہے البتہ اپنے سفر پر گامزن ضرور ہے۔ اللہ ہمیں مزید توفیق دے۔

جامعہ کو دیگر مدارس سے منفرد تعلیم گاہ بنانے میں یہاں کے جامع نصاب تعلیم اور مخلص اساتذہ کی محنت اور طریقۂ تدریس کا اہم رول ہے۔ مجھے دوران طالب علمی مئو اور بنارس کے کئی مدارس میں جانے اور قیام کرنے کا موقع ملا۔ بعد میں بھی ملک کے کئی مدارس کو قریب سے دیکھا لیکن جو بات جامعہ میں دیکھی وہ کہیں اور نظر نہیں آئی۔

یہاں کے طلبہ میں توسع، اعتدال اور فکر میں بلندی پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مسالک حنفی، شافعی اور اہل حدیث طلبہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے کبھی مسلکی اور فکری تنگ نظری کے شکار نہیں ہوئے۔

یہاں دینی علوم قرآن، حدیث اور فقہ کے ساتھ انگریزی، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ کی بھی تعلیم کا نظم تھا، اس کی وجہ سے طلبہ کے اندر وسعت نظری پیدا ہوتی تھی۔

جمعیت کی سرگرمیوں کی وجہ سے طلبہ میں خوداعتمادی آتی تھی، چنانچہ یہاں کے فارغین گروہی اور مسلکی تعصب سے اوپر اٹھ کر زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اسلام کا عائلی نظام

انسانیت کے لیے رحمت

- اسلام کا عائلی نظام کیا ہے؟
- اسلام کے عائلی نظام کی خصوصیات وامتیازات کیا ہیں؟
- اسلام کا عائلی نظام موجودہ دنیا کے عائلی طور طریقوں سے کن پہلوؤں سے ممتاز ہے؟
- موجودہ دنیا کے عائلی طور طریقوں کے کیا منفی اثرات سماج پر پڑ رہے ہیں؟
- کیا واقعی اسلام کا عائلی نظام انسانیت کے لیے رحمت ہے؟

یہ اور اس طرح کے متعدد سوالات ہیں جو ''اسلام کا عائلی نظام۔ انسانیت کے لیے رحمت'' سے متعلق سامنے آتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں ان سوالات پر اچھی اور مفید گفتگو کی گئی ہے ، امید کی جاتی ہے کہ اس سے ہمارے درمیان ایک سنجیدہ علمی بحثکا آغاز ہوگا۔ (مدیر)

ظفر احمداثری، لندن،ای میل:asarizafar@hotmail.com

اللہ تعالی نے اس کائنات کو وجود بخشا اور انسان کی تخلیق فرمائی، اس کے بعد اسے ایک جوڑے کی شکل دے کر خاندان میں پرو دیا تاکہ تناسل کا سلسلہ جاری رہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً۔ (النساء:۱)

(لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے، اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔)

خاندان، اسلامی معاشرہ کی اساس کی حیثیت رکھتا ہے، خاندان اسلام کی نگاہ میں ایک مقدس وجود ہے، اور اسلام نے اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے لیے ایسی بنیادیں بتلائی ہیں کہ ان کو اپنانے سے خیر و برکت کا معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

ایک مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لیے یہ حدیث اہم شمار کی جاتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے انتخاب کے بارے میں فرمایا:

تنکح المرأة لأربع: لمالها و لحسبها ولجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك۔ (متفق علیہ)

(عورت سے نکاح چار چیزوں کو دیکھ کر کیا جاتا ہے، اس کے مال کی بنیاد پر، اس کی نسبی شرافت کی بنیاد پر، اس کے حسن و جمال کی بنیاد پر اور اس کے دین کی بنیاد پر، تو تم دیندار عورت کو حاصل کرو، تمہارا بھلا ہو۔)

مزید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع صالح عورت ہے۔ مسلم وابن ماجہ)

شادی سے مودت، رحمت اور الفت کے احساسات و جذبات زوجین میں پیدا ہوتے ہیں جو اولاد

کی تربیت میں مدد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔اور یہی احسات وجذبات ان کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں عائد ہونے والی ذمہ داری کو اٹھانے کے لائق بناتے ہیں،اوران ہی سے خاندان کانشو ونما ہوتا ہے اوران ہی سے خاندان کا نظام برگ وبار لاتا ہے۔اللہ تعالی ارشادفرماتا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً۔(الروم:۲۱)

(اوراس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیےتمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرواورتمہارے درمیان محبت اوررحمت پیدا کردی۔)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(تم میں ہرایک نگراں ومحافظ ہےاورتم میں سے ہرایک سے پوچھا جائے گاان لوگوں کی بابت جو تمہاری نگرانی میں ہوں گے، امیر بھی نگراں ہے اور اس سے بھی اس کی رعیت کے بارے میں پوچھاجائے گا اورشوہراپنے گھر والوں کا نگراں ہےاورعورت اپنے شوہر کے گھر اوراس کے بچوں کی نگراں ہے،توتم میں سے ہرایک نگراں ہےاورتم میں سے ہرایک سےان لوگوں کی بابت پوچھ ہوگی جو اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔متفق علیہ)

اس حدیث میں امومت اورابوت کی تعبیر احساس ذمہ داری سے کی گئی ہے جسے فطرت نے ان کے دلوں میں ودیعت کررکھا ہے،اوراسی احساس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جگانے کی کوشش کی ہے جوحقوق اورواجبات کی شکل میں ان پرواجب ہوتے ہیں.

ماں اپنے بچے کی تعلیم وتربیت میں جو وقت لگاتی ہےاوراپنی امومت کا فریضہ انجام دیتی ہے وہ معاشرہ کی تشکیل میں زبردست کرداراداکرتی ہےاورسوسائٹی کو ایسا تعاون پیش کرتی جس کا کوئی متبادل نہیں،اوراس کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی۔معاشیات کےنوبل انعام یافتہ پروفیسر گیری بیکر کہتے ہیں کہ عورت گھر میں رہ کر بچے کی جوتعلیم وتربیت کرتی ہےاوراس کی دیکھ بھال کرتی ہے دراصل وہ قومی معیشت میں25% سے50% تک اپنا حصہ اداکرتی ہے جبکہ ناواقف کارلوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بے کاراپنے گھر میں بچے کی دیکھ بھال کررہی ہےاورقومی معیشت اور پیداوار میں کوئی حصہ دارنہیں،محض ایک بوجھ ہے۔

انسانی تمدن کی جڑیں ازدواجی تعلقات پرمنحصر ہیں اگر یہ جڑیں ذرا بھی متأثر ہوتی ہیں تو خاندانی

نظام تہ و بالا ہوجا تا ہے۔ اسلام نے خاندان کو ایک منظّم شکل دے کر اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کیا، معاشرہ کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ انسانی نسل کا سلسلہ جاری رہے، اورنسل کا سلسلہ اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک آپس میں محبت والفت نہ ہو، جبکہ شیطان ان تعلقات پر قینچی چلانے کے لیے ہر موقع کی تلاش میں رہتا ہے تا کہ خاندان کا شیرازہ منتشر ہو جائے، حدیث میں آتا ہے کہ شیطان اپنا دربار لگا تا ہے اور اپنے ایجنٹوں کو اپنی مہم پر بھیجتا ہے کہ جاؤ پوری انسانیت کو گمرہی اور ضلالت کے کھنڈر میں ڈال آؤ، سب واپس آکر باری باری اپنی اپنی رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ شیطان سب کی رپورٹ سن کر کہتا ہے کہ تم میں سے کسی نے کچھ نہیں کیا، سب سے اخیر میں ایک ایجنٹ یہ رپورٹ پیش کرتا ہے کہ میں نے میاں بیوی کے درمیان تعلقات ختم کرادیے، شیطان یہ سن کر اسے گلے لگالیتا ہے اور شاباشی دیتا ہے اور کہتا ہے یہ ہے وہ کام جو تم نے کیا، اسی لیے شریعت نے طلاق کو ابغض الحلال کہا ہے۔

اولاد انسان کی زندگی میں ایک عظیم نعمت ہے، کہا گیا:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (سورہ کہف:۴۶)

(مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔)

اولاد کی تعلیم وتربیت ایک عظیم ذمہ داری ہے۔ اولاد کی تربیت سے معاشرہ کی تعمیر شروع ہوتی ہے، اور اس کی بنیادیں مودت، رحمت، حسن خلق، وقت کی قربانی، نظم وضبط پر مبنی ہیں اور اس راہ میں انتہائی صبر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ زوجین کے توافق اور محبت والفت کے بغیر انسانی معاشرہ کی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ بچے کی پیدائش سے لے کر جوانی تک جتنے مراحل پیش آتے ہیں والدین کی محبت والفت کے بغیر کوئی بھی مرحلہ طے نہیں پاسکتا۔ اسلام نے ان تمام مراحل کے سلسلے میں بیش قیمت رہنمائی فرمائی ہے۔ اولاد کی تربیت کا نظام اور ہدایات اسلامی معاشرہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

يَـا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔ (التحریم:۶)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تندخو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔)

بیٹیوں اور بہنوں کی تربیت کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی اور انہیں تعلیم وتربیت دی اوران کے ساتھ رحم کا سلوک کیا، یہاں تک کہ اللہ انہیں بے نیاز کردے، تو ایسے شخص کے لیے اللہ نے جنت واجب کردی، اس پر ایک آدمی نے کہا اگر دو ہی ہوں؟ تو آپ نے فرمایا، دولڑکیوں کی سرپرستی پر بھی یہی اجر ہے۔)

ابن عباسؓ کہتے ہیں اگر لوگ ایک کے بارے میں بھی پوچھتے تو آپ ایک بارے میں بھی یہی بشارت دیتے۔(شرح السنۃ)

اسلام نے خاندان کو چلانے کے لیے مرد اور عورت دونوں پر ذمہ داری عائد کی ہے، دونوں کے لیے یکساں طور پر ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے، ورنہ خاندان کا نظام برباد ہوکر رہ جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہے کہ انسانوں کو جوڑے جوڑے پیدا کیا تا کہ ایک وحدت ہو، ہم آہنگی ہو، الفت اور محبت ہو، اور یہ چیزیں سکون واطمینان کا ذریعہ بنیں، اسلام نے زوجین کے حقوق اور فرائض کے بارے میں اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں حکیمانہ ارشاد فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (البقرۃ: ۲۲۸)

(عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے اور سب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم ودانا موجود ہے۔)

ایسا نہیں کہ حق صرف مرد ہی کا ہے اور بیوی کا نہیں بلکہ دونوں ہی پر ایک دوسرے کے حقوق و فرائض ہیں۔ یہ آیت عورت کو وہی حقوق دے رہی ہے جو مرد کو حاصل ہیں۔ جس مطالبہ کی تکمیل مرد کی ذمہ داری ہوگی اسی مطالبہ کی تکمیل عورت کی ذمہ داری ہوگی۔ اسلام نے زوجین کے لیے خوشگوار زندگی گزارنے اور زندگی کو منظّم کرنے کے لیے جو اساس وضع کی ہے وہ طبعی اور فطری ہے۔ اس لیے کہ مرد قوام ہے اور کارگہ حیات میں محنت اور مشقت کرنے پر زیادہ قدرت رکھتا ہے اور گھر سے باہر نکل کر کسب معاش میں زیادہ تگ ودو کرنے کے قابل ہوتا ہے، اور عورت گھر کے جملہ انتظامات کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں زیادہ قدرت رکھتی ہے اور بچوں کی تربیت بہتر طریقہ سے کرنے پر قادر ہوتی ہے۔ گھر کے اندر راحت اور طمانیت کے جو بھی اسباب اور مواقع ہو سکتے ہیں ان کو بروئے کار لانے میں وہ کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتی۔ اس طرح مرد اپنے مناسب حال فریضہ انجام دیتا ہے اور عورت اپنی فطری اور طبعی حیثیتوں میں رہ کر اپنا فریضہ انجام دیتی ہے، اس طرح گھر کا نظم ونسق اندر اور باہر بحسن وخوبی انجام

پاتا ہے۔اورکوئی بھی ایک دوسرے کے معاملات میں دخل انداز نہیں ہوتا۔اسی طرح اسلام نے عورت کو شوہر کا پورا پورا خیال رکھنے، اس کے مال و دولت کی حفاظت کرنے اور اس کی غیر موجودگی میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دنے کے لیے کہا، دوسری طرف شوہر کو یہ حکم ملا کہ

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء:۱۹)

(ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاتقوا الله في النساء۔

(عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو)

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اسلامی معاشرہ کا ایک امتیازی حصہ ہے، بیوی اور شوہر کے آپس کے تعلقات کے باب میں ایسے ضوابط ہیں کہ ان کا کسی شریعت میں متبادل نہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ کے رسول نے فرمایا:

(دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں، اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انھیں معمولی جسمانی سزا دو، اور وہ باز آجائیں تو انھیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔عورتوں سے بہتر سلوک کرو، کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کرسکتیں، چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انھیں خدا کے نام پر حاصل کیا ہے اور اور اسی کے نام پر حلال ہوئی ہیں۔(سیرت سرور عالم، مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ، جلد سوم، ص:۴۱۴)

جس طرح والدین پر اولاد کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری عائد کی گئی اسی طرح اولاد کو یہ تعلیم دی ہے:

وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً۔وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً۔ (بنی اسرائیل:۲۳،۲۴)

(تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف

تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو، اور نرمی ورحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک جاؤ، اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا پوسا تھا۔)

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اللہ کے بعد انسانوں میں سے سب سے مقدم حق والدین کا ہے۔ اولاد کو والدین کا مطیع، خدمت گزار اور ادب شناس ہونا چاہیے۔ معاشرے کا اجتماعی اخلاق ایسا ہونا چاہیے جو اولاد کو والدین سے بے نیاز بنانے والا نہ ہو بلکہ ان کا احسان مند اور ان کے احترام کا پابند بنائے، اور بڑھاپے میں اسی طرح ان کی خدمت کرنا سکھائے جس طرح بچپن میں وہ اس کی پرورش اور ناز برداری کر چکے ہیں۔ یہ آیت بھی صرف ایک اخلاقی سفارش نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد پر بعد میں والدین کے وہ شرعی حقوق و اختیارات مقرر کیے گئے ہیں جن کی تفصیلات ہم کو حدیث اور فقہ میں ملتی ہیں۔ نیز اسلامی معاشرے کی ذہنی و اخلاقی تربیت میں اور مسلمانوں کے آداب تہذیب میں والدین کے ادب و اطاعت اور ان کے حقوق کی نگہداشت کو ایک اہم عنصر کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔ ان چیزوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ اصول طے کر دیا ہے کہ اسلامی ریاست اپنے قوانین اور انتظامی احکام اور تعلیمی پالیسی کے ذریعہ سے خاندان کے ادارے کو مضبوط اور محفوظ کرنے کی کوشش کرے گی نہ کہ اسے کمزور بنانے کی۔'' (تفہیم القرآن جلد دوم، سورہ بنی اسرائیل، حاشیہ: ۲۷)

اسلام ایک عادلانہ نظام پر مشتمل معاشرہ کی بنیاد ڈالتا ہے، والدین اور اولاد دونوں پر ایک دوسرے کے سلسلے میں ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ اسلام نے اتنے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ خاندان کے معاشی استحکام کی بنیاد بھی ڈالی اور وراثت کا نظام بنا کر مستحقین کے حصے (مرد اور عورت دونوں کے) متعین کیے جس سے خاندان میں جو معاشی اعتبار سے کمزور ہیں ان کو مالی استحکام نصیب ہوتا ہے۔

اسلام نے خاندانی نظام کو چلانے کے لیے خاندان کے ہر فرد پر ذمہ داری ڈال کر ایسا نیوکلیر سسٹم بنایا ہے اگر کوئی بھی فرد اس سے ایک لمحہ کے لیے اپنے کو الگ تھلگ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو عائلی نظام تار تار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور ایک تصادم پیدا ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ خاندان کی بربادی اور تباہی ہوتا ہے۔ جب خاندان ٹوٹنے پھوٹنے کے قریب پہنچتا ہے اس کو اسلامی شریعت ہر ممکن طرح سے جوڑنے کی کوشش کرتی ہے اور زندگی کے ہر ممکنہ پیش آمد مسائل میں اپنا متوازن راستہ دکھاتی ہے اور حل پیش کرتی ہے اور خاندان کو

ایک عظیم تباہی و بربادی سے بچنے کا صحیح راستہ دکھلاتی ہے اور اگر نباہ کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالی نے زوجین کو خوش اسلوبی کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہونے کے لیے کہا ہے اور وہ ہے طلاق اور خلع کا راستہ ہے۔ اس آخری صورت میں بھی اللہ کے احکام کی پاسداری کرنی دونوں کے لیے ضروری ہوتی ہے اور طلاق و خلع کے وقت بھی ایک دوسرے کے حقوق ہوتے ہیں اس وقت بھی اسلام وہ سب طرفین کو یاد دلاتا ہے، تاکہ اسلامی معاشرہ میں مزید کوئی اور ایسی صورتحال نہ پیدا ہو جس سے خاندان کو مزید نقصان کا سامنا کرنا پڑے اور بچوں کی تعلیم وتربیت پر کسی قسم کا منفی اثر پڑے۔ اس طرح اسلام ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتا ہے جہاں امن و چین کی بانسری بجے اور وہ معاشرہ رحمت و برکت کا گہوارہ بن جائے۔

اسلامی تہذیب کی بنیاد آخرت کے تصور پر قائم ہے اور معاشرہ کا ہر فرد اللہ تعالی کے حضور جواب دہ ہے، یہ جواب دہی واضح کرتی ہے کہ اسلام نے جو بھی قوانین دیئے ہیں ان کو من وعن مان کر اس پر عمل پیرا ہو جایا جائے اور معاشرہ کو ایک مثالی معاشرہ بنایا جائے، اور ظاہر ہے اس نظام کی برکتیں اسی وقت دیکھی جاسکتی ہیں۔ جبکہ صورتحال یہ ہے کہ مسلم معاشرہ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود کسی بھی معاشرہ سے کمزور یا کم تر نہیں نظر آتا ہے، ازدواجی زندگی کی خوبیاں عام مسلمانوں کی زندگیوں میں دوسرے معاشرے کے مقابلے میں بہتر ہیں اور بعض صورتوں میں مثالی نظر آتی ہیں۔ نکاح کے اسلامی قوانین کی بدولت کیسا معاشرہ تیار ہوتا ہے اس کے بارے میں مولانا صدرالدین اصلاحیؒ یوں رقم طراز ہیں:

''اسلامی قانون نکاح اپنے ان بنیادی اصولوں کے تحت جس قسم کا معاشرہ بنا سکتا ہے وہ کسی بیان و تفصیل کا محتاج نہیں، صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ ایک ایسا معاشرہ ہوگا (بشرطیکہ اس کی تعمیر واقعی معنوں میں اس قانون پر اور اس کے ساتھ اسلام کے دوسرے قوانین شخصی پر بھی ہوئی ہو) جو ہر سطح پر متحد، منظم اور مستحکم ہوگا، جس کی بنیادی اکائیاں (ابتدائی خاندانی حلقے) ہی نہیں بلکہ اوپر کا وسیع خاندانی دائرہ بھی ایک زنجیر کی کڑیوں کی طرح آپس میں جڑا ہوگا۔ یہ ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ ہوگا جس کے اندر جنسی بے راہ روی کے عملی امکانات کم سے کم ہوں گے اور نظری طور پر اسے قابل گوارا سمجھنے کا تصور تک ناپید ہوگا۔ یہ ایک ایسا آزاد اور ساتھ ہی منضبط معاشرہ ہوگا جس میں اپنے نکاح کے معاملے میں افراد کی آزادی اور خودمختاری کو پورا پورا احترام حاصل ہوگا، مگر یہ آزادی اہم تر مصالح کی بہر حال پابند ہوگی، اور کسی کو یہ چھوٹ ہرگز نہ ہوگی کہ وہ اپنی خودمختاری کی ترنگ میں آکر ہر معقولیت کو بالائے طاق رکھ دے اور دینی، اخلاقی یا معاشرتی کسی مصلحت کو خاطر میں نہ لائے۔ پھر یہ ایسا معاشرہ ہوگا جس کے افراد آپس

کے حقوق، جن میں زوجین کے باہمی حقوق خصوصیت سے داخل ہیں، اپنے اندرونی داعیہ کے ساتھ ادا کیا کریں گے۔ صرف قانون کا مطالبہ یا انسانیت کا تقاضا سمجھ کر نہیں بلکہ دین کا فریضہ اور خدا کا حکم سمجھتے ہوئے کریں گے۔ انھیں نظر انداز کر کے وہ کوئی اطمینان محسوس نہ کریں گے۔ کیونکہ انھیں یقین ہوگا کہ ان حقوق کے بارے میں چاہے کوئی طاقت ان سے باز پرس نہ کر پائے، مگر اس قادر مطلق کی عدالت میں یہ باز پرس لازماً ہوکر رہے گی جس نے یہ حقوق ان پر عائد کر رکھے ہیں۔---------- یہ ہے وہ مستحکم، منضبط، پاکیزہ اور فرض شناس معاشرہ جو اسلامی قوانین کے ذریعے (جبکہ اسے اسلام کے دوسرے قوانین شخصی کی بھی معیت حاصل ہو) وجود میں آئے گا، اور تاریخ گواہ ہے کہ ایسا مدتوں ہو چکا ہے۔ حتی کہ آج کے دور زوال میں بھی مسلم سماج ان صفات میں دوسرے سماجوں پر نمایاں فوقیت رکھتا ہے۔ (نکاح کے اسلامی قوانین از مولانا صدرالدین اصلاحیؒ، ص:۸۸۔۸۹)

اس وقت ہمارا معاشرہ مختلف چیلنجز سے دوچار ہے اگر ان کا مقابلہ نہ کیا گیا تو مسلم معاشرہ کو بہت خسارہ اٹھانا پڑے گا اور وہ ہے گلوبلائزیشن کے بڑھتے ہوئے اثرات جو ہمارے مسلم معاشرہ پر تیزی سے پڑ رہے ہیں، اس کے ظاہری فوائد کو دیکھ کر انسان اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کے غلط اثرات کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، اور پھر معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اس کا علاج کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گلوبلائزیشن کی اصلی شکل اس کی چمک دمک ہے، اس کی تہہ میں جا کر اس کے سلبی اور ایجابی اثرات کا جائزہ لینا ہوگا، تب ہی جا کر اس کے حسن وقبح کو سمجھا جا سکتا ہے۔ دراصل گلوبلائزیشن نے پورے عالم کو ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کی ہے، قوموں اور ملکوں کے درمیان اقتصادی روابط پیدا کیے، تعلقات کے مسافتوں کو کم کر دیا، اور حال یہ ہے کہ یک لخت دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک معلومات کی ترسیل چند سیکنڈوں میں ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسرے سے استفادہ کی راہیں استوار ہو جاتی ہیں۔ دوسری تہذیبوں کے ساتھ ضم ہونے میں کوئی روک ٹوک نہیں رہی، پوری دنیا ایک بستی بن گئی ہے، معاشی، سیاسی اور سماجی زندگیوں میں نمایاں تبدیلیاں آ گئی ہیں، معاشی چمک دمک جو دیکھنے میں آ رہی ہے اسی کا نتیجہ ہے، اور اس طرح پورے عالم کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر ایک نئے عالمی نظام کی تخلیق ہوئی ہے اور تمام انسانی قدروں کو ایک عالمی اکائی میں پرو دیا گیا ہے، تاکہ اس طرح آہستہ آہستہ مادی قدروں کا غلبہ وتسلط ہو جائے، اور اخلاقی قدریں نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں، مغرب کے صنعتی انقلاب جس نے معاشرہ کے اندر معاشی اور سیاسی تبدیلیاں رونما کی تھیں اس کی جگہ گلوبلائزیشن ہی نے لی جس کے اندر سرعت تھی اور

ہے، اسی سرعت کی وجہ سے دنیا اس کی لپیٹ میں آ گئی اور کوئی بھی اس کے سلبی اور ایجابی اثرات سے نہیں بچ سکا ہے۔ پھر اس نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی اور اپنے افکار کی ترویج میں لگ گئی۔ اس فکری تحریک نے دنیا کو تمام ترقیوں سے مالا مال کرنے کے ساتھ اور دنیا کو مکمل فکری آزادی دینے کے ساتھ ٹکنالوجی کو اپنا رابطے کا ذریعہ بنایا لیکن اس کے اثرات بد سے بچنا مشکل ہو گیا۔

دھیرے دھیرے مسلم معاشرہ خطرناک حد تک اس کا ہدف بنتا چلا گیا، یہ نظام ان طاقتوں کے ہاتھ میں ہے جن کے پاس معاشی، سیاسی، سماجی اور ٹکنالوجی کی حکمرانی ہے، انھوں نے اس نظام کو نافذ کرنے کے لیے وہ تمام طریقے اپنائے جو مسلم معاشرہ کے لیے مہلک تھے، ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکے، ان کا انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں چاہے علمی میدان ہو، معاشی میدان ہو، سیاسی میدان ہو، فکری میدان ہو، ان تمام میدانوں میں ایسا زبردست رول ہے کہ معاشرہ نے اپنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ ہمارے پاس اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ ہم اس نظام کا کوئی متبادل تلاش کرتے، ہم بھی ان کی آواز میں اپنی آواز ملانے لگے، اس نظام نے ہمیں دبوچ لیا۔ ہم اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ معاشی، سیاسی، سماجی اور ٹکنالوجی کے حصول میں ہم بھی اس میں شریک ہو گئے، اور پھر ہم اس کے دست نگر ہو گئے اور ان کی گود میں چلے گئے۔ ہم علمی اور سیاسی اعتبار سے اتنے کمزور تھے اور ہیں کہ ان کا ہم کسی پلیٹ فارم پر مقابلہ نہیں کر سکے۔ سب سے پہلے ہمارا معاشرہ متأثر ہوا جس کے نتیجہ میں نئی نسل کی تعلیم وتربیت متأثر ہوئی اور وہاں سے جو فکری آزادی آئی اس نے ہمارے مسلم معاشرہ کو بہت زبردست طریقے سے متأثر کیا۔ ہمارے عائلی نظام پر حملے شروع ہو گئے، اس میں سب سے زیادہ ضرب نکاح کے اسلامی تصور پر پڑی، موجودہ ذرائع ابلاغ نے عورت کو ایک مظلوم بنا کر پیش کیا اور اسلامی شریعت میں تبدیلی کا مطالبہ کیا، اور اس نے عورت کے لیے اپنے پسندیدہ حقوق کا مطالبہ کیا۔ اس طرح اسلام نے مرد کی قوامیت کا جو تصور دیا ہے اس پر ضرب لگی جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ ظاہر ہے اس طرح سے عائلی نظام میں دراڑ پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو ہم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں۔

اسلام، خاندان کو ایک صالح سوسائٹی بنانے میں بہت اہم رول ادا کرتا ہے، اسلام نے مسلم معاشرہ کی تشکیل کے لیے انتہائی اہم اقدامات اٹھائے ہیں۔ اسلام خاندان کو ایک صالح معاشرہ کی بنیاد بنانا چاہتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ اسے امت مسلمہ کا روپ دیتا ہے، اسی سے اسلامی گلوبلائزیشن کا تصور ابھرتا ہے۔ خاندان صرف زوجین اور زوجین کی اولاد پر مشتمل نہیں ہوتا، خاندان کے اندر دوسرے رشتہ دار بھی

شامل ہیں۔، اس میں نسبی، صھری اور رضاعی رشتہ داریاں بھی شامل ہیں۔آج یہ پورا خاندان مغربی گلوبلائزیشن کی زد میں ہے، جسے اقتصادی، سیاسی، ثقافتی اور اجتماعی ہر طرح کے چیلنجز کا سامنا ہے، خاندان کا پورا شیرازہ اس کے شکنجے میں جکڑا جارہا ہے، اس گلوبلائزیشن کا فلسفہ یہ بھی ہے کہ امیر وغریب میں ایک تقسیم باقی رہے، جو کمزور ہے کمزور رہے تاکہ ترقی یافتہ ممالک پسماندہ ممالک کو اپنے میں ضم کرلیں، جواستعماری قوتوں کا نظریہ ہے۔

ہمارے لیےضروری ہے کہ پہلے ہم گلوبلائزیشن کے اثرات کو سمجھیں کہ اس کے اثرات ہماری زندگیوں پر کیا پڑ رہے ہیں، اس کا جائزہ لیں، اس کا علاج یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے دیئے ہوئے احکام پر مضبوطی سے عمل کیا جائے، اسلام کے مطالبات کو اپنے زندگیوں میں نافذ کیا جائے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔(الرعد:۱۱)

(حقیت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔)

اپنی اجتماعی زندگی میں شریعت کی روشنی کو عام کیا جائے، تعلیم گاہوں میں، تمام اجتماعی اداروں میں اسلامی شریعت کی مکمل معلومات فراہم کی جائیں۔فرد کی تربیت اسلامی اصولوں پر کی جائے، اور ایسی اجتماعی سوسائٹیز قائم کی جائیں جہاں اسلامی شریعت کے فوائد عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ اور عملی نمونوں کے ذریعے سمجھائے جائیں۔

میڈیا کے تمام ذرائع استعمال کر کے اسلام کے عائلی نظام کی خوبیوں اور برکتوں کو عام کیا جائے اور نکاح کا اسلامی تصور پیش کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ اسلام کے عائلی نظام کے انطباق سے ایک صالح معاشرہ بنتا ہے اور اس کی برکتوں سے پوری انسانیت مستفید ہوتی ہے۔واضح کیا جائے کہ فطری قوانین سے روگردانی کے نتیجہ میں معاشرہ میں فساد برپا ہوتا ہے اور لوگوں کا امن وچین غارت ہوکر رہ جاتا ہے۔

آسیہ فلاحی، معلّمہ کلیۃ البنات

حسن معاشرت کا ایک بہترین نظام ''اسلام کا عائلی نظام'' ہے، اللہ نے جس کے قیام وبقا اور استحکام کا حکم دیا ہے کیونکہ معاشرے کی اساس خاندانی نظام پر قائم ہے اور ایسا خاندانی نظام جس کی مختلف اکائیاں اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کے بارے میں حساس اور بیدار ہوں ایک صحت منداور

متوازن معاشرہ کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور ایسا معاشرہ وہ مضبوط و مستحکم ریاست قائم کرتا ہے جس سے انسانی ضروریات کی تکمیل اور اس کے مسائل کا حل ممکن ہو سکے۔ اسلام کا وہ عائلی نظام جس پر ہمیں فخر ہے وہ نکاح، طلاق، خلع، وراثت، ہبہ، اوقاف وغیرہ ہیں۔

چنانچہ اسلام کا عائلی نظام شریعت کا لازمی حصہ ہے۔ یہ قوانین اگر بدل جائیں تو ملت کا مزاج و منہاج بدل جائے گا۔ اسلام میں قانون سازی خدا کے ہاتھ میں ہے کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''شرع لكم من الدين ماوصى به نوحاً والذی أوحينا اليك ''(شوریٰ :۱۳) جس طرح جسم بغیر جان کے اور درخت بغیر جڑ کے قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح کوئی ملت بغیر اپنے عائلی قوانین کے اور خاندانی نظام کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسلام کا عائلی نظام ایک محفوظ جزیرہ ہے جو انتشار کے سمندر میں بقا وتحفظ کا ذریعہ ہے۔ اس لیے مغربی تہذیب کے زوال اور ہندوستان کے موجودہ اور آئندہ معاشرتی انتشار و اختلال کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی عائلی نظام کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ شرعی قوانین ہیں، اگر اس میں تبدیلی کی کوشش کی گئی تو یہ دین میں تحریف ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ دین میں تحریف کو شرک قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''یہی تبدیلیاں یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب نے اپنی خواہشات کے مطابق کی تھیں۔'' شاہ صاحب نے اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''شریعت کی پابندی سے زندگی کی قدریں اجاگر ہوتی ہیں اور قوموں کے سامنے ایک نصب العین رہتا ہے لیکن جب اس میں تبدیلی اور کتر بیونت ہونے لگتی ہے تو کسی ملت کے سامنے کوئی راستہ نہیں رہ جاتا اور بالآخر وہ اپنا مقصد زندگی کھو دیتی ہے، ہندو عجم اور یہود و نصاریٰ کی گمراہیاں یہیں سے شروع ہوتی ہیں کہ انھوں نے شریعت میں دخل اور معقولات کا آغاز کر دیا تھا۔''

اسلام کے عائلی نظام کی سب سے پہلی کڑی نکاح ہے چنانچہ نکاح کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''كتاب الله عليكم'' یہ اللہ کا تمہارے لیے ایک فیصلہ ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا:

''النكاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فليس منی''، (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح)

ترجمہ: نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث مبارکہ میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ نکاح کو اجتماعی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ مسلم سماج کی ذمہ داری ہے کہ اگر سماج میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو وسائل کی کمی کی وجہ سے اپنا گھر نہیں بسا سکتے تو سماج ان کو سہارا دے، ان کی شادی بیاہ کا بندوبست کرے، قطع

نظر اس سے کہ وہ غلام ہیں یا آزاد، مرد ہیں یا عورت۔

سورۃ النور آیت ۳۲ کو سامنے رکھتے ہوئے ان احکامات پر عمل کرنے کی ضرورت ہے اللہ کا حکم ہوتا ہے: وانکحو الأيامیٰ منكم والصالحين من عبادكم واماء كم ان يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله والله واسع عليم۔

آج ہمارے سماج کی خرافات اور بے جا رسموں نے شادی بیاہ کو انتہائی کٹھن بنا دیا ہے، چاہے وہ زیادہ مہر رکھنے کی رسم ہو یا جہیز اور تلک کی رسم ہو یا ڈالی اور زیورات اور جوڑے جانے کی رسم ہو، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

نکاح قرآن مجید کی رو سے ایک مضبوط قلعہ، شوہر اور بیوی کے درمیان ایک مقدس رشتہ، مودت وعصمت اور عفت واخلاق کا محافظ، ایک دوسرے کے سکون، زندگی کے جملہ مقاصد کے حصول میں ایک دوسرے کی معاونت، نسل انسانی کی بقا اور صالح اولاد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ نکاح کے بغیر مرد وزن کا تعلق ایک ہنگامی ضرورت کی تکمیل کا ایک غیر فطری اور غیر انسانی عمل تو ہوسکتا ہے پر وہ تمام فیوض وبرکات سے خالی ہوگا جو نکاح سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسلام میں نکاح کے بغیر کوئی مرد کسی اجنبی عورت سے جنسی تعلق قائم نہیں کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أحل لكم ماوراء ذالكم ان تبتغوا بأموالكم محصنين غير مسافحين (النساء:۲۴)

(ان محرمات کے سوا جتنی عورتیں ہیں سب تمہارے لیے حلال ہیں مگر صرف اس شکل میں کہ اپنے مال خرچ کر کے ان کو اپنے نکاح میں لے آؤ نہ کہ آزاد شہوت رانیاں کرنے لگو۔)

عورت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ جائز امور میں شوہر کی اطاعت کرے، اس کی ضروریات کا لحاظ رکھے، اس کے گھر اور اس کے بچوں کی بہتر نگہداشت کرے، ''المرأة راعية على بيت زوجها ۔۔۔الحدیث، اور شوہر کی ذمہ داری ہے کہ قرآنی ہدایت: وعاشرو هن بالمعروف فان كرهتموهن فعسى أن تكرهوا شيئاً ويجعل الله فيه خيراً كثيراً پر عمل کرے۔

مہر کے تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو سامنے رکھا جائے، آپؐ نے فرمایا: ''ان أعظم النكاح بركة أيسره مؤونة'' بہترین نکاح جس میں خیر وبرکت ہوتی ہے وہ ہے جس میں زیادہ خرچ نہ آئے۔ فریقین کو آپؐ کی اس ہدایت کو سامنے رکھنا چاہیے کیونکہ فضیلت وشرافت کے معیار تقویٰ وروحانیت کی میزان میں افراد کو تولا جائے گا نہ کہ مال وزر کی بنیاد پر۔ البتہ مہر اتنی قلیل بھی نہ ہو کہ حیثیت سے کم ہو۔

اسلام نے مختلف مصلحتوں اور حکمتوں کے سبب تعدد ازدواج کی اجازت بھی دی ہے، مثلاً زنا کے انسداد، مطلقہ اور بیواؤں کی مدد، یتیموں کی کفالت، نادار لڑکیوں کے مسئلے کا حل اور جن مردوں کی بیویاں لا ولد ہیں یا جو دائم المریض ہوں ایسی صورت میں ان کو طلاق سے بچانا اور عدل کی شرط کو پورا کرتے ہوئے اس اجازت سے فائدہ اٹھانا اور فائدہ پہنچانا ہے۔ فائدہ اٹھانے میں سورہ نساء آیت ۳ کو سامنے رکھتے ہوئے نساء آیت (۱۲۹) فلا تمیلوا کل المیل کی ہدایت کو بھی سامنے رکھا جائے۔

اسلام اس رشتۂ ازدواج کے قائم ہونے کے بعد اس کے استحکام کی پوری کوشش کرتا ہے لیکن اگر اس کے صحیح مقاصد پورے نہ ہو رہے ہوں تو بدرجۂ آخر طلاق کی اجازت دیتا ہے۔ طلاق میں جلد بازی سے روکا گیا ہے۔ اگر کسی سبب کی بنا پر نباہ ممکن نہ ہو تو دونوں خاندانوں کے حکم مل بیٹھ کر معاملات کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم کی ہدایت وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکماً من اهله وحکماً من أهلها، ان یریدا اصلاحاً یوفق الله بینهما۔ (النساء:۳۵)

(اور اگر تمہیں ان دونوں کی ناچاقی کا ڈر ہو تو مرد کے خاندان سے ایک حکم اور عورت کے خاندان سے ایک حکم (اصلاح حال کے لیے) مقرر کر دو اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں موافقت کی صورت پیدا کر دے گا۔)

اگر حکم بھی معاملات کو نہ سلجھا سکیں اور نباہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے تو طلاق کی اجازت ہے۔ چنانچہ طلاق کے سلسلے میں ہدایت ہے کہ ایک طہر میں ایک ہی طلاق دی جائے تاکہ عدت کی مدت میں شوہر کو رجوع کرنے کا اور عدت کے گزرنے کے بعد عورت اور مرد کے راضی ہونے پر دوبارہ نکاح کرنے کا موقع باقی رہے اور طلاق کے بعد کف افسوس نہ ملنا پڑے۔

طلاق کی مدت گزرنے کے بعد عورت کو باعزت طریقے سے رخصت کرنے کی ہدایت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وللمطلقات متاع بالمعروف حقاً علی المتقین ''(سورۃ بقرۃ:۲۴۱) طلاق یافتہ عورتوں کو دستور کے مطابق کچھ ضروری سامان دیئے جائیں، یہ واجب ہے ان لوگوں پر جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

طلاق نباہ نہ ہونے کی صورت اور ذہنی کوفت کی حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف مراحل اصلاح سے گزرنے کے بعد کامیابی نہ ہونے کی صورت میں اس حالت سے بچاؤ و نجات کا ذریعہ ہے، طلاق و خلع کے احکام کے بعد قرآن کریم کا ارشاد ہے:''تلك حدود الله فلا تعتدوها ''(سورۃ بقرۃ:

۲۲۹) یہ اللہ کی قائم کردہ حدیں ہیں ان سے آگے بڑھنا جائز نہیں۔

جہاں اسلام نے بے اطمینانی و ناچاقی کی صورت میں مرد کو طلاق کی اجازت دی ہے وہیں عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور شوہر اسے چھوڑنے پر راضی تو ہے مگر معاوضہ کی شرط کے ساتھ تو وہ شوہر سے خلع لے سکتی ہے یعنی کچھ مال دے کر آزادی حاصل کر سکتی ہے۔ قرآن میں خلع کے تعلق سے ارشاد ہے سورہ بقرہ آیت ۲۲۹ میں: ''تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم نے انہیں بطور مہر دے رکھا تھا اس میں سے کچھ واپس لے لو سوائے اس صورت کے کہ ان دونوں (میاں بیوی) کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ اللہ کے حقوق کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ پس تمہیں (خاندان کے بڑے بزرگوں کو) بھی اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے حقوق کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اس چیز میں جسے دے کر عورت اپنی جان چھڑاتی ہے۔'' زر خلع کی کوئی متعین حد نہیں ہے البتہ اس کا لحاظ کرنا لازمی ہے کہ زر خلع زر مہر سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ خلع پر اتفاق ہونے کی صورت میں شوہر عورت کو ایک طلاق دے گا جو طلاق بائن ہوگی یعنی اس کے بعد شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں ہوگا۔

اسلام نے قانون میراث میں بھی نہایت معتدل ترتیب و تقسیم رکھی ہے۔ اسلام سے پہلے قوانین میں یہ بے اعتدالی تھی کہ کہیں عورتوں اور لڑکیوں کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اور کہیں صرف بڑا لڑکا ہی وارث سمجھا جاتا تھا اور بچوں کا کچھ حق ہی نہ تھا۔ قرآن نے اسے غلط قرار دیا اور کہا کہ نفع و نقصان خدا ہی بہتر جانتا ہے ''لا تدرون أيهم أقرب لكم نفعاً'' (النساء:۱۱)

اسلام نے وراثت کی تقسیم میں انسانی ضمیر سے بھی اپیل کی کہ قانونی حق ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ قرابت کا لحاظ اور صلہ رحمی بھی آخرت کے لیے ضروری ہے: ''وأولوا الأرحام بعضهم أولىٰ ببعض فی كتاب الله''۔ اور یہی اسلامی وراثت کا سب سے نمایاں اور امتیازی وصف ہے جو انسان دوستی اور اجتماعی کفالت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

اسلام نے میراث میں عورتوں کی جو خاص رعایت رکھی ہے اس کا اندازہ اس سے بھی کر سکتے ہیں اصحاب فروض میں بارہ افراد وراثت پاتے ہیں جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں، مردوں میں شوہر، باپ، دادا، ماں شریک بھائی۔ عورتوں میں بیوی، ماں، دادی، بیٹی، پوتی، بہن، باپ شریک بہن اور ماں شریک بہن۔

رہے اسلام کے وہ بعض اہم عائلی قوانین جو اسلام نے ہمیں عطا کیے ہیں، اس تعلق سے قرآن و

سنت کی رہنمائی کتنی متوازن، کتنی حقیقت پسندانہ اور کتنی مفید، کتنی تعمیری اور کس قدر صالح ہے۔ یہ تعلیمات اپنے فیوض و برکات کی وجہ سے تمام اہل ملک اور تمام انسانوں کے اپنانے کے لائق ہیں نہ کہ اعتراضات اور منسوخ کے۔

اسلام کے عائلی نظام کے تعلق سے مسلمانوں کی اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اسلام کے عائلی نظام کی تفصیلات و مصالح کو سمجھیں، ان پر خود عمل کریں جن کے باقی رکھنے کا مطالبہ ہنگامی صورت اور حکومتی و عدالتی انحراف کے وقت حکومت سے کرتے ہیں۔ خواہ مرد ہوں یا عورت دونوں اس کے مخاطب اور مکلّف ہیں اس لیے دونوں کے لیے علم و عمل لازم ہے۔

اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ علماء، خطباء، مصنفین اور مقررین حقوق العباد اور معاشرتی اور عائلی زندگی کے مسائل کا صحیح تعارف کرائیں اور نکاح وطلاق اور میراث وغیرہ امور زوجین کے حقوق وفرائض کے سلسلہ کی ضروری تفصیلات سے لوگوں کو آگاہ کریں تاکہ شریعت کے حکم اور منشا کی خلاف ورزی نہ ہو، جیسے غلط محرکات کے تحت نکاح، نان ونفقہ اور برتاؤ میں بیویوں پر ظلم، شوہروں کا عدم احترام، طلاق کا بے محابا استعمال، تقسیم میراث میں کھلی ہوئی ناانصافی، وصیت و ہبہ کے شرعی احکام کی عملی تردید وغیرہ مجرمانہ افعال ہیں، جن کی وجہ سے آج مسلمان اپنے عائلی نظام کی برکتوں سے محروم ہیں اور معاشرتی اور عدالتی ہر طرح کے مسائل کا شکار ہیں۔ آج اگر ان پر شرح صدر کے ساتھ قرآن وسنت کی روشنی میں عمل ہونے لگے اور اگر نزاعی صورت پیدا ہو تو اس کے حل کے لیے ہر ریاست میں علماء کا ایک بورڈ قائم ہو جائے جو اسلامی عدالتوں کی غیر موجودگی میں مسائل کا فیصلہ قرآن وسنت کی روشنی میں کر سکے تو اسلام کے عائلی نظام کی برکتیں لوٹ آئیں گی کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا عائلی نظام انسانیت کے لیے رحمت کا پیغام ہے۔

محمد حسن حبیب فلاحی، نیپال۔ ای میل:
abufarismh@gmail.com

اسلام کا عائلی نظام انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہے۔ انسان تخلیقی اور فطری طور پر اجتماعیت پسند ہے اور اس کے لیے سماجی اور عائلی زندگی کا کوئی متبادل نہیں ہے نیز اس کے بغیر زندگی گذارنا امر محال ہے۔

اجتماعیت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، اس کی بہتری اور خیر سگالی، اس کے سکون وسلامتی اور باعث خیر وبرکت ہونے کا دار و مدار بڑی حد تک اس بات پر ہوتا ہے کہ اس اجتماعیت کے ارکان ایک دوسرے

کے حقوق وفرائض سے کس قدر واقف اور اس تعلق سے کتنے حساس ہیں۔ اگر اجتماعیت کے سارے ارکان اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کا شعور رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کے لیے فکرمند وکوشاں ہوں تو اس میں شک نہیں کہ وہ اجتماعیت جنت بن جائے گی، قطع نظر اس سے کہ مادی سہولیات اور دیگر دنیوی وسائل سے مطلوبہ درجہ میں متمتع نہ ہو۔ ذرائع ووسائل کی قلت اور عسرت کے باوجود ایسی اجتماعیت اس کے تمام افراد کے لیے سکون وسلامتی کا قلعہ ثابت ہوگی۔ اس کے برعکس دنیوی آسائشوں اور مادی وسائل سے بہرہ ور اجتماعیت کے ارکان ایک دوسرے کے حقوق سے ناآشنا اور فرائض سے غافل ہوں تو وہ سارے ہی لوگوں کے لیے رحمت کے بجائے زحمت ثابت ہوگی اور ساری فراوانیوں کے باوجود ہر فرد سکون کی تلاش میں ماہی بے آب ہوگا۔

اسلام کے عائلی نظام کے بہت سارے سنہرے پہلو ہیں اور وہ سب ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ یہاں صرف ایک پہلو کے تذکرہ پر اکتفا کروں گا اور وہ ہے افرادِ معاشرہ کے اندر ایک دوسرے کے حقوق کا احساس اور اس کی تاکید۔

اس گوشہ کو سامنے رکھ کر عائلی نظام کے لیے عطا کردہ اسلامی اصول وضوابط اور ہدایات ودفعات کا مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن وسنت میں ایسی واضح اور روشن ہدایات ملتی ہیں جن کے بالمقابل کسی دوسرے نظریہ اور نظام میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام کے عائلی نظام اجتماعیت کا ہر فرد مومن ومسلم ہونے کے ناطے کچھ ایسے اصول وضواط کا پابند ہے کہ اس کی بجاآوری کو وہ دین کا ایک جز تصور کرتا ہے اور اسی اہمیت کے ساتھ اس کو بجالاتا ہے۔ جس کے سبب عائلی نظام سراپا رحمت بن جاتا ہے۔ قرآن وسنت کے ذیل کے اصول ملاحظہ فرمائیں:

عائلی نظام کے دو اساسی ستون شوہر اور بیوی ہیں۔ قرآن حکیم نے دونوں کی حیثیت اور مقام کتنے حسین پیرائے اور دل نشین انداز میں ایک دوسرے کے دل ودماغ میں پیوست کردیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هن لباس لكم وأنتم لباس لهن۔ اس احساس اور تصور کے ساتھ جینے والے افراد ہی کو سکون نصیب ہوسکتا ہے اس کا اندازہ کسی دوسرے نظام کا فرد کیونکر کرسکتا ہے۔

معاشی حقوق کے تحفظ کی ضمانت خالص قانونی الفاظ میں دی گئی اور اس قدر تاکید کردی گئی کہ اس سے سرتابی کی جرأت کوئی مشکل ہی سے کرسکتا ہے۔ ارشاد باری ہے: للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء نصيب مما اكتسبن۔ معاشرتی اور سماجی اسٹیٹس کو واضح کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ

نے یہاں تک فرمادیا کہ خیر کم خیر کم لأهله وأنا خیر لأهلی۔ عائلی نظام کے رحمت ہونے کے لیے اسلام نے دوسرے اصول نہ بھی دیے ہوتے تو یقیناً یہی ایک رہنما اصول کافی تھا۔اس طرح خاندانی نظام کے ہر چھوٹے بڑے کو ایک ساتھ مخاطب کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے تاکیدی حکم دیا بلکہ یہاں تک فرمادیا کہ اگر کوئی فرد مسلم ہونے کے باوجود اس دفعہ کی خلاف ورزی کرتا ہے تو ہم میں سے نہیں ہے۔ارشادنبوی ہے:من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منا۔

شمشاد حسین فلاحی،ایڈیٹر ماہنامہ حجاب اسلامی،موبائیل نمبر:
09990056137

اسلام کے عائلی نظام کے کئی امتیازات ہیں بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے ہماری زندگی کے عائلی اصول وضوابط بھی اسی طرح متعین کیے ہیں جس طرح انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے کیے۔دیگر معاشروں اور مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان معاملات خدائی ہدایات کی بنیاد پر نہیں بلکہ روایات اور کلچر کی بنیاد پر طے ہوتے ہیں۔چنانچہ دنیا کے مختلف خطوں اور علاقوں میں ایک ہی مذہب کے ماننے والوں کے یہاں یہ معاملات مختلف انداز سے انجام پاتے ہیں جبکہ اسلام کا عائلی نظام پوری دنیا میں یکساں طور پر نافذ وجاری ہے اور اگر کہیں جاری نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہاں کے لیے اسلام کی ہدایات اور تعلیمات تبدیل ہوگئی ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگ اسلام کی تعلیمات سے دور ہیں۔

مثال کے طور پر نکاح کا نظام ہے۔پوری دنیا میں جہاں بھی مسلمان ہیں وہاں یکساں طریقے سے نکاح منعقد کرتے ہیں۔اسی طرح وراثت کے احکامات ہر خطہ میں یکساں طور پر مانے اور نافذ کیے جاتے ہیں۔یہ تو وہ چند چیزیں ہیں جن کے سلسلہ میں اسلام نے متعین ہدایات بہ طور عائلی قانون دی ہیں لیکن اور بھی چند باتیں ہیں جو اسلام کے عائلی نظام کو پوری دنیا کے کلچر یا عائلی زندگی میں جاری اصولوں کے مقابلے میں امتیاز عطا کرتی ہیں۔

ا۔اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم:

اسلام جس طرح عام زندگی میں اللہ سے ڈرتے ہوئے معاملات کرنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح خاص طور پر عائلی زندگی میں بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کرنے میں رشتوں اور قرابتوں کو قابل ترجیح بتاتا ہے۔رشتوں کی عظمت اور ترجیحات کا تعین کرتا ہے اور اسی

ترجیح کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نکاح کے وقت پڑھی جانے والی آیات میں جگہ جگہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس عائلی زندگی میں انسان حقوق کی ادائیگی اور فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے تو ایک طرف تو یہ انسان کی عائلی زندگی کو متاثر کرے گا دوسری طرف آخرت کی زندگی کو بھی یقیناً متاثر کرے گا۔

سورۃ نساء جس میں مسلمانوں کو عائلی معاملات سے متعلق تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں اس آیت سے شروع ہوتی ہے:

ترجمہ: ''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتہ وقرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو، یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔''

اس کے بعد یتیموں کا مال ہڑپنے اور عدم انصاف کی صورت میں کئی شادیاں کرنے سے بھی روکا گیا ہے اور پھر وراثت کی حصہ داریاں متعین کی گئی ہیں اور جگہ جگہ اللہ سے ڈرنے اور یوم حساب کو یاد رکھنے کا ذکر ملتا ہے۔

مطلب صاف ہے جو لوگ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والے اور یوم حساب کو ذہن میں رکھنے والے ہوں گے وہ نہ صرف اہل خانہ کے ساتھ حسن معاملہ کے طلب گار ہوں گے بلکہ عام انسانوں تک کے ساتھ کسی طرح کی حق تلفی یا ناانصافی کے روادار نہیں ہو سکتے۔ اس واضح ہدایت کے بعد ایک دوسرے کو معمولی معمولی غلطیوں اور کوتاہیوں پر معاف کرنے اور عفو و درگذر سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے اور عزیمت اس میں رکھی گئی ہے کہ انسان ایثار کرے ''اور وہ (اہل ایمان ایسے ہوتے ہیں) خود پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ تنگی ہی میں کیوں نہ ہوں''۔(الحشر۔۹)

ایک انسان جو عائلی زندگی کو جانتا اور سمجھتا ہو وہ خوب اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ ایثار اور عفو و درگذر اس زندگی میں کس قدر اہم ہے۔ یہی وہ بنیادی تعلیم ہے جو اسلام کو اس حیثیت سے ممتاز کرتی ہے کہ یہاں خاندان میں مفادات کی بنیاد پر کشمکش (Clash) کی گنجائش کم سے کم رہ جاتی ہے۔

۲۔ حقوق و فرائض کا تعین:

اسلام کے عائلی نظام کا بڑا اور اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ خاندان میں موجود افراد کے حقوق اور فرائض

کا واضح طور پر تعین کرتا ہے اوران کی بحسن وخوبی ادائیگی کو سیدھے آخرت کی کامیابی سے جوڑتا ہے۔

ایک فرد جب سماج اور معاشرے میں ہوش سنبھالتا ہے تو سب سے قریب اپنے والدین کو پاتا ہے۔ چنانچہ والدین کے سلسلہ میں یہ واضح ہدایت ہے کہ ان کے ساتھ اس قدر اعلیٰ اخلاق اور حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے کہ ان کے ساتھ ''اف'' تک کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت اور باپ کو جنت کا دروازہ کہہ کر اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ اولاد نہ صرف ان کی جملہ ذمہ داریوں کو بخوشی نبھائے بلکہ بڑھاپے اور جسمانی وذہنی معذوری کی صورت میں ان کی طرف سے آنے والی ہر پریشانی کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا جائے۔

یہی فرد جب بڑا ہو کر باپ بنتا ہے تو اس کو اس بات کی تاکید کی جاتی ہے بلکہ اس کا فرض بتایا جاتا ہے کہ وہ اولاد کی پرورش و پرداخت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے، ان کی بہترین تعلیم وتربیت کا انتظام کرے اور میسر سہولیات فراہم کرنے میں بخل نہ کرے۔ اسی طرح بیوی اور شوہر کے حقوق اور فرائض کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بیوی کا نان نفقہ اور بہترین زندگی شوہر کا فرض ہے۔ اچھے کپڑے اور اچھا کھانا اور آرام دہ رہائش شوہر کی ذمہ داری بتائی گئی ہے اور اس کے مقابلے میں شوہر کی اطاعت وخوشنودی اور امور خانہ داری کی اچھی طرح ادائیگی بیوی کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اچھی بیوی کی خوبی یہ بتائی گئی ہے کہ اس کا شوہر اس سے خوش رہے۔ جبکہ کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہ کہہ کر شوہر و بیوی دونوں کو اپنے فرائض یاد دلائے گئے ہیں۔ اسی طرح بہنوں کے حقوق کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اگر طلاق یا بیوگی کی صورت میں بہن یا بیٹی واپس لوٹنے پر مجبور ہو تو اس کی کفالت بھی بھائی یا باپ کے ذمہ ہے اور اس کفالت کا بڑا اجر ہے۔

اسلام کے نظام حیات کی ایک عام خوبی یہ ہے کہ وہ بندوں کے ساتھ معاملات کو بھی عبادت کا حصہ تصور کرتا ہے اور انسان کی فلاح آخرت کو ان حقوق کی بحسن وخوبی ادائیگی سے جوڑتا ہے۔ اور خاص خوبی اور امتیاز یہ ہے کہ وہ حقوق العباد کی بنیاد رشتوں کو قرار دیتا ہے۔ جو فرد رشتے میں جس قدر قریب ہے وہ اسی قدر حسن سلوک اور فرائض کی ادائیگی کا حق دار ہے۔ چنانچہ رسول پاک کا یہ قول کہ ''بہترین دینار وہ ہے جو انسان اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے'' اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں، ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچوں پر خرچ کرے اور وہ ان پر جو بھی خرچ کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک بہترین صدقہ کی صورت میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں وہ صدقہ، انفاق اور زکوٰۃ کی

ادائیگی میں قریب ترین رشتہ داروں کو زیادہ حق دار ٹھہراتا ہے۔

۳۔معروفات ومنہیات کا واضح تصور:

اسلام کے عائلی نظام کا ایک بڑا امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ اختیار کرنے اور بچنے والی باتوں کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔مثال کے طور پر اسلام رشتوں کو جوڑنے کی واضح ہدایات دیتا ہے اور رشتوں کو کسی بھی وجہ سے توڑنے سے منع کرتا ہے۔رسول پاکؐ نے فرمایا:''سلام کو پھیلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، رشتوں کو جوڑو اور رات کو اس وقت نماز پڑھو جب عام لوگ سوتے ہیں (اگر ایسا کروگے تو) جنت میں سیدھے داخل ہو جاؤ گے۔''

اسی طرح غیبت، سازش، ایک دوسرے پر عیب لگانے اور الزام تراشی سے روکتا ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ اخلاقی برائیاں عائلی زندگی میں کس قدر تباہ کن ہوتی ہیں اور رشتوں کا ستیاناس کر دیتی ہیں۔ لایسخر قوم من قوم ، و لایغتب بعضکم بعضاً اور عسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شرلکم و عسیٰ تکرھوا شیئاً وھو خیرلکم کہہ کر معروفات ومنہیات دونوں کے سلسلہ میں حقوق وفرائض سے اوپر اٹھ کر ترغیبی انداز میں لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ کھلے دل ودماغ کے ساتھ زندگی گذاریں۔

یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ رشتے نکاح سے بنتے ہیں اور اسی کے نتیجہ میں نظام وراثت پر عمل ہوتا ہے۔اور طلاق ان رشتوں کو توڑنے کا ذریعہ بنتی ہے چنانچہ نکاح وطلاق اور وراثت کے بھی واضح اور دوٹوک احکامات دیئے گئے ہیں جن میں کسی حیلے وحجت کی گنجائش نہیں رہ جاتی___ جبکہ عائلی نظام میں وراثت کی تقسیم کو اس قدر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ ہر وارث کے حصہ تک متعین کر دیئے گئے ہیں۔مگر ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم قرآن وحدیث کی تعلیمات کو پڑھتے نہیں اور جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔اگر ہم ایسا کریں تو اسلام کے عائلی نظام کے امتیازات ہم پر واضح ہو جائیں۔اور ہم انہی احکامات وہدایات پر عمل کرنے میں آسانی، اطمینان اور سکون محسوس کریں اور دیگر اصول وضوابط کو رد کر دیں کہ وہ حقیقت میں اس لائق ہی نہیں کہ ان پر غور کیا جائے چہ جائے کہ ہم ان پر عمل کریں۔

شاکر الاکرم فلاحی، ناگپور، مہاراشٹر۔موبائیل نمبر:09850512694

سب سے پہلے تو میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اسلام کا عائلی نظام براہ راست انسانیت کے لیے رحمت نہیں ہے، بالواسطہ ہے۔ مجھے اس کی تھوڑی وضاحت کرنے دیجئے۔

دیکھیے قرآن مجید بنی نوع انساں کے لیے آیا ہے:"هـدىً لـلـنَّـاس" (البقرۃ:۱۸۵)اس کے باوجود قرآن کہتا ہے:"هدىً للمتَّقين" (البقرۃ:۲)"هـدىً ورحمة للمومنين"(یونس:۵۷)اور یہ بات کچھ قرآن کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ قرآن مجید جو دین پیش کرتا ہے اس دین کی خاصیت اور مزاج ہی یہی ہے۔'توراۃ' کے بارے میں کہا گیا:"وَفِيُ نُسُـخَتِهَا هُدًى وَرَحُمَةٌ لِّلَّذِيُنَ هُمُ لِرَبِّهِمُ يَـرُهَبُـون "(الاعراف:۱۵۴)"وَرَحُـمَتِـيُ وَسِـعَـتُ كُـلَّ شَـيُءٍ فَسَـأَكُتُبُهَـا لِـلَّـذِيُـنَ يَتَّـقُون" (الاعراف:۱۵٦)بات پانی کی طرح صاف ہوگئی، رحمت تمام تر وسعتوں کے باوجود متقین کے لیے خاص کی جارہی ہے، انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے:"إِنِّـــيُ جَـــاعِـــلٌ فِــــيُ الأَرُضِ خَـلِيُـفَةً" (البقرۃ:۳۰)لیکن سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعہ اعلان کردیا گیا:"لَا يَـنَـالُ عَهُدِيُ الظَّالِمِيُن"(البقرۃ:۳۰)

دوسرے لفظوں میں اسلام کے سارے مطالبات اپنے ماننے والوں سے ہیں لہٰذا اسلامی نظام کی برکات بھی اولاً انہیں کے لیے ہیں اور ان کے واسطے سے پوری انسانیت کے لیے ہیں۔قرآن کے اولین مخاطب اہل مکہ تھے پھر بتدریج یہ دائرہ وسیع ہوتا گیا۔اسلامی نظام کا پہلا ماڈل مدینہ بنا پھر باقی دنیا میں اس کو کاپی کیا گیا۔اگر یہ ترتیب الٹ دی جاتی تو نقشہ کچھ دوسرا ہوتا۔یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ احکام شریعت کے مکلّف مسلمان ہیں۔احکام شرعیہ کی خاصیت یہ ہے کہ اگر مسلمان خلوص کے ساتھ کامل اتباع کریں تو جس طرح اسلام محدود نہیں ہے اسی طرح اس کے فوائد بھی محدود نہیں ہیں۔لہٰذا کل انسانیت اس کے اثرات محسوس کرے گی بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لیے تیار ہوں کہ انسانیت ایسے سماج کا حصہ بننے میں فخر محسوس کرے گی۔مجھے اجازت دیجئے کہ چند مثالوں سے اس کی حقانیت واضح کرسکوں۔

مثال کے طور پر نکاح کو لے لیجئے، اگر یہ عہد رسالت اور عہد صحابہ وتابعین کی سی سادگی سے انجام پائے تو مسلم معاشرہ میں فحاشی وبدکاری برائے نام ہی ہوگی، جبکہ دیگر اقوام کے یہاں یا تو نکاح کی وہ اہمیت نہیں جو قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہے، یا پھر ان کے یہاں معمولی معمولی باتوں پر بھی نکاح کے بندھن سے آزادی حاصل کی جاسکتی ہے یا نکاح کے بندھن میں رہتے ہوئے خیانت ہوتی ہے یا پھر انعقاد نکاح میں اتنی دشواریاں، اتنی رسومات واخراجات ہوتے ہیں کہ نکاح مشکل ترین امر بن جاتا ہے یا ازدواجی زندگی کے مقابلے تجرد کی زندگی راجح ہوجاتی ہے، اور پھر بدکاری کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

یہی حال طلاق کا ہے۔بعض قوموں میں طلاق لینا اور دینا اتنا آسان ہے کہ نکاح کی کوئی اہمیت

سرے سے نہیں ہوتی یا پھر اتنا مشکل ہوتا ہے کہ حالات بد سے بدتر کیوں نہ ہو جائیں طلاق نہیں ہوسکتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جرم خیانت پلتا اور پروان چڑھتا ہے۔

میراث کے معاملے کو لے لیجئے، قرآن نے انصاف کے ساتھ حق داروں کے حقوق محفوظ کردیے ہیں جن میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی ہے۔ جن کا حصہ میراث میں نہیں ہے ان کا مسئلہ وصیت کے ذریعے حل کردیا گیا، علاوہ ازیں تقسیم کے وقت اگر غرباء ومساکین وغیرہ آجائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اگر قانون میراث، زکوۃ اور دیگر مدات انفاق کا صحیح استعمال ہو تو محرومی کا ازالہ ممکن ہے بلکہ بعض تجزیہ نگاروں کا ماننا ہے کہ زکوۃ ومیراث کی صحیح تقسیم سے غربت کا خاتمہ ممکن ہے، اور یہ کوئی مفرضہ نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دولت اسلامیہ نے وہ دن بھی دکھائے ہیں کہ خلیفہ اعلان کراتا ہے، کہاں ہیں مقروض؟ کہاں ہیں حاجت مند؟ کہاں ہیں یتیم وبے سہارا؟ مگر ڈھائی سال کی مدت میں یہ حال ہوگیا کہ اس اعلان پر کوئی سامنے نہیں آیا۔ یہ حال ہوگیا تھا کہ ایک شخص صدقہ لے کر نکلتا لیکن لینے والا کوئی نہیں ملتا۔ یہ دور یہیں ختم نہیں ہوجاتا بلکہ یہ دور پھر پلٹ کرآئے گا کیونکہ حدیث کی کتابوں میں یہ پیشین گوئی موجود ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم زکوۃ وصدقات لے کر گھومو گے مگر کوئی لینے والا نہیں ہوگا۔

عائلی نظام میں صرف نکاح وطلاق اور میراث کا قانون نہیں ہے بلکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک بھی شامل ہے۔ یہاں والدین پر ایک پیار بھری نظر ڈالنے سے حج مبرور کا ثواب مل جاتا ہے، جھڑکنا تو دور کی بات ہے اُف بھی کہنے سے منع کیا گیا، ان کے بارے میں کہا گیا یہ یا تو تمہاری جنت ہیں یا جہنم! اولاد کے حقوق متعین کیے گئے۔ تفصیلات قرآن مجید اور کتب احادیث میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اگر ایمانداری کے ساتھ اس پر عمل ہو تو کیا اولڈ ایج ہوم کی ضرورت پڑے گی؟ کیا اولاد آوارگی اختیار کرکے جرائم پیشہ بنے گی؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

غیر اسلامی عدالتوں میں مقدمات لے جانے کے بجائے اگر قرآن وحدیث سے معاملات کا تصفیہ کرایا جائے تو کیا غیر اسلامی عدالتوں میں ذلیل وخوار ہونے کی نوبت آئے گی اور دوسروں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع ملے گا؟ نہیں۔ بلکہ مسلم سماج ایک آئیڈیل کی حیثیت سے سامنے آئے گا۔ پس ثابت ہوا کہ مسلمان اگر سختی سے اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہوجائیں تو نہ صرف یہ کہ وہ رحمت باری تعالیٰ سے ہم کنار ہوں گے بلکہ پوری انسانیت تک اس کی رحمت وسیع ہوجائے گی۔ نیز انسانیت اس نمونے کو اپنانے پر مجبور ہوگی اور اس طرح انسانیت رحمت الٰہی سے ہم کنار ہوجائے گی، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ

مسلمان نہ صرف یہ کہ اپنے اعضاء و جوارح، عقائد و عبادات اور معاملات کو شریعت کے تابع کر دیں گے بلکہ فرمان رسولؐ کے مطابق اپنی تمام خواہشات و امنگوں کو اسی کے مطابق ڈھال دیں، واللہ لا یومن حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔

اسماء فیروز فلاحی، ریسرچ اسکالر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

گفتگو چار نکات اور ان نکات کے تحت کچھ ذیلی نکات کی شکل میں پیش ہے:

(۱)...... **خاندان اور خاندانی نظام:**

فرد سے افراد، افراد سے خاندان، خاندان سے سماج اور پھر ریاست وجود میں آتے ہیں اور یہ سب ایک دوسرے سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں، اور یہ تعلقات جب ایک نظم کے تحت وجود میں آتے ہیں تو اسے نظام کہتے ہیں۔

خاندان سماج کا ایک ایسا ادارہ ہے جس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، انسان ایک سماج پسند مخلوق ہے اور جب سے روئے زمین پر اس کا وجود ہوا ہے وہ لوگوں کے درمیان رہ کر اجتماعی زندگی بسر کر رہا ہے۔ فطرتاً انسان سماج سے الگ تھلگ رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ سماج سے وابستہ رہ کر زندگی بسر کرنا نہ صرف انسان کی پسند اور خواہش ہے بلکہ مجبوری اور احتیاج بھی۔ غذا، لباس، مکان، رشتے، رہن سہن اور دیگر بنیادی ضروریات زندگی کے لیے انسان ایک دوسرے پر منحصر ہیں اور یہ انحصار جس قدر تعاون و اشتراک سے بھرپور ہوگا زندگی اتنی ہی بامقصد اور بارونق ہوگی۔ ورنہ بصورت دیگر سماجی زندگی بےمعنی و بےمزہ ہو کر رہ جائے گی۔ انسانی اور حیوانی زندگی میں ایک بڑا فرق خاندان اور سماج کا ہے۔ حیوان میں نر و مادہ جنسی تسکین کے لیے ایک دوسرے سے ملتے اور پھر الگ ہو جاتے ہیں۔ ان کے در میان ہمدردی و محبت جیسا کوئی جذبہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اصل و فرع کا کوئی احساس۔ جبکہ انسانوں میں مرد و عورت کے درمیان جنسی جذبات کے ساتھ ساتھ ہمدردی و محبت اور اصل و فرع کا احساس پایا جاتا ہے جو انہیں خاندان، سماج اور پھر سماجی زندگی سے جوڑے رکھتا ہے۔ جہاں سماج کی ہر اکائی اپنے فرائض و حقوق سے نہ صرف واقف بلکہ پابند ہوتی ہے۔ خاندان کی صحیح خطوط پر تعمیر و تشکیل اور نشو نما ہو سکے اس کے لیے مختلف خاندانی نظام وجود میں آتے ہیں۔ خاندانی نظام کی جو مختلف شکلیں سماج میں پائی جاتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔مشترکہ خاندانی نظام:(Joint Family System)

اس قسم کے خاندانی نظام میں ایک باپ کی جتنی اولادیں ہیں سب مل کر ایک ساتھ رہتے ہیں اور خاندان کی تمام معاشی ومعاشرتی اور دیگر ضروریات مل کر پوری کرتے ہیں۔

۲۔وسیع خاندان:(Extended Family)

اس قسم کے خاندانی نظام میں خاندان کے تمام افراد ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہیں لیکن ان میں سے ہر کمانے والا فرد اپنی مختصر اکائی یا بیوی بچوں کے خرچ خود برداشت کرتا ہے۔اگر کھانے پینے کا انتظام مشترک ہو تو وہ اپنی آمدنی یا خرچ کی مناسبت سے اس میں حصہ لیتا ہے۔

۳۔نیوکلیئر خاندانی نظام(Nuclear Family System)

اس میں آدمی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہے اور کبھی کبھی ماں باپ بھی شریک ہوتے ہیں ہندوستانی خاندانی نظام میں مذکورہ تمام شکلیں پائی جاتی ہیں۔

(۲)......موجودہ دور میں خاندان کا بکھرتا شیرازہ اور تباہ کن نتائج:

دورحاضر میں مغرب اور مغرب زدہ اقوام نے خاندان کی اہمیت وافادیت سے سرے سے انکار ہی کردیا ہے۔خاندان اور اس کے نظام پر مندرجہ ذیل اعتراضات کیے جارہے ہیں:

خاندانی نظام میں عورتوں کے حقوق محفوظ نہیں رہتے ہیں۔

خاندانی نظام بعض معاشی عوامل کے نتیجے میں وجود میں آئے تھے اب چونکہ وہ عوامل باقی نہیں رہے لہٰذا خاندان اور خاندانی نظام کی اہمیت بھی باقی نہیں رہی۔

کچھ لوگ جو ریاست کے کلیت پسند تصور کے قائل ہیں وہ خاندان سمیت تمام اجتماعی اداروں کو ریاست کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں۔

کچھ لوگ اسے ماضی کا ایک ایسا ادارہ تصور کرتے ہیں جس کی موجودہ زمانے میں کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

یہ اور اس طرح کے تصورات پورے نظام خاندان پر اثرانداز ہورہے ہیں۔اس کی زد میں بطور خاص مغرب اور مغرب زدہ قومیں ہیں جہاں مرد وعورت آزاد شہوت رانی کے قائل ہیں۔وہ نکاح کی بندش اور خاندان کا بوجھ اٹھانا نہیں چاہتے۔جہاں ہر شخص آزاد اور اپنے عمل کا تنہا ذمہ دار ہے۔جہاں بچوں کو باپ کا پتہ معلوم ہے اور نہ ماں کی شفقت حاصل ہے۔جہاں والدین کو گزرتی عمر کے ساتھ بہت

سے خدشات لاحق رہتے ہیں ۔ جہاں پر خاندانی نظام شکست وریخت سے گزر رہا ہے ۔نتیجتاً وہاں فرد ہے گھر نہیں، افراد ہیں سماجی نظام نہیں، انسان ہے مگر انسانیت نہیں ۔ مفاد پرستی اور مادیت کا ایسا دور دورہ کہ اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر سوچنا انسانی کردار سے خارج ہو گیا ہے ۔

(۳)......اسلام کا نظام عائلی:

اسلام انسان کے لیے خاندانی نظام زندگی کو ہی پسند کرتا ہے کیونکہ یہ عین اس کی فطرت کے مطابق ہے ۔ نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ اس کے لیے اصول وضوابط بھی طے کرتا ہے ۔ قرآن مجید نے رسولوں کے متعلق وضاحت سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے خاندانی اور عائلی زندگی گزاری اور اس کے تقاضے پورے کیے، ارشاد ربانی ہے: ”ولقد أرسلنا رسلاً من قبلك وجعلنا لهم أزواجاً وذرية “ ترجمہ: ہم نے آپ سے قبل کتنے ہی رسول بھیجے اور انھیں بیویاں اور اولاد عطا کیں ۔

قرآن مجید نے متعدد پیغمبروں کی بیویوں، ذریت اور خاندان کے دوسرے افراد کا ذکر کیا ہے ۔ اس سے ان پیغمبروں کے اپنے اہل خاندان سے تعلقات، محبت و ہمدردی، اخلاص وخیر خواہی، اہل خاندان کے ساتھ رویہ اور حمایت ومخالفت کی نوعیت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے ۔ ان تمام پہلوؤں سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج واولاد کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے ۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ خاندان صرف سماجی ومعاشرتی اور معاشی ادارہ ہی نہیں بلکہ اسے دینی واخلاقی حیثیت بھی حاصل ہے ۔

اسلام نے اجتماعی زندگی میں خاندان کو بنیادی اہمیت دی ہے اور جس قسم کے خاندان کی تشکیل وہ چاہتا ہے اس کے خدوخال بھی واضح کر دیئے ہیں ۔ اسلام نے صحیح جنسی تعلق، ازدواجی زندگی، اس کی ذمہ داریاں اور مسائل، اہل خاندان سے تعلقات، ان کے حقوق وفرائض اور ان سے متعلق معاملات کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات دی ہیں اور اپنے ماننے والوں کو ان کا پابند بنایا ہے ۔ اسلام کے نظام عائلی کی بات کی جائے تو اس میں تین امور کو بنیادی اہمیت حاصل ہے:

(الف) نکاح کی حیثیت واہمیت

(ب) ازدواجی تعلقات

(ج) رشتہ داروں کے حقوق وفرائض

اسلام کے خاندانی نظام کی بنیاد ____ نکاح

خاندان کا آغاز مرد وعورت کے جنسی تعلق سے ہوتا ہے لہٰذا خاندان کی تشکیل میں اس کو بنیادی

اہمیت حاصل ہے۔ اس تعلق کے بارے میں عام طور پر دو نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں، ایک نقطۂ نظر رہبانیت کا ہے اور دوسرا اباحیت پسندی کا ہے اور یہ دونوں ہی طریقے غیر فطری ہیں۔ رہبانیت جنسی جذبات کو دبانے اور کچلنے کی تعلیم دیتی ہے جبکہ اباحیت جنسی تسکین کے لیے پوری آزادی چاہتی ہے۔ پہلا طریقہ انسانی فطرت کے خلاف ہے جبکہ دوسرا طریقہ فرد و سماج دونوں کے لیے نقصان دہ ہے جو نہ صرف متأثر افراد کو امراض کا شکار بنا دیتا ہے بلکہ سماج کو جنسی انتشار اور آوارگی کی طرف لے جاتا ہے۔

اسلام رہبانیت اور اباحیت پسندی دونوں کے برعکس نکاح کی شکل میں جنسی جذبات کی تسکین کا جائز اور معتدل حل پیش کرتا ہے۔ نکاح کو قانونی و شرعی درجہ دیتا ہے۔ معاشرہ کے ذمہ داروں کو غیر شادی شدہ افراد کی شادی کروانے پر ابھارتا ہے۔ نکاح کا اعلان و اظہار کرنے کا حکم دیتا ہے اور ایک مقررہ دائرے کے اندر قریبی رشتہ داروں کو محرمات قرار دے کر ان سے نکاح کو حرام قرار دیتا ہے اور نکاح کے اصول وضوابط طے کرتا ہے تا کہ اس رشتے کو جائز و پاکیزہ بنایا جاسکے۔

ازدواجی تعلقات

ازدواجی تعلق محض جنسی تسکین کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ یہ الفت و محبت کا رشتہ ہے جو خاندان کی بنیاد کو مضبوطی اور استحکام عطا کرتا ہے۔ اس میں مرد و عورت دونوں کے حقوق ہیں جو انہیں حاصل ہوں گے اور دونوں کی ذمہ داریاں ہیں جن کے وہ پابند ہوں گے۔ اس ضمن میں شوہر کا مقام و مرتبہ، عورت کی عزت وحیثیت، چار نکاح کے اصول وضوابط، طلاق، خلع، ایلا، ظہار، عورت کے ساتھ حسن سلوک، شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کا ایک مکمل Chapter ہے جس کی جانکاری اور اس پر عمل آوری اسلامی خاندان کی عمارت کو مضبوط بنیادیں فراہم کرتی ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق وفرائض:

نکاح کے نتیجے میں ازدواجی تعلقات وجود میں آتے ہیں اور ازدواجی تعلقات سے پورا خاندان وجود میں آتا ہے اولاد، ماں باپ، بھائی، بہن اور ان کے توسط سے دیگر رشتے قائم ہوتے ہیں۔ خاندان کا وجود اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے یہی بات ان الفاظ میں قرآن میں بیان ہوئی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں اور تمہیں اپنی بیویوں سے بیٹے، پوتے دیئے۔ اور کھانے کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تو کیا پھر بھی وہ باطل پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں''۔ (النحل۔۷۲)

اس سلسلے میں بھی خاندان کی بہتری وخوشحالی کے لیے اسلام نے حقوق وفرائض کا ایک تفصیلی باب باندھا ہے جس میں اہل خاندان کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق، ماں باپ کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، سماج کے کمزور طبقوں کے حقوق، رشتوں کا احترام، صلہ رحمی، خاندان کی دینی واخلاقی تربیت اور ایک دوسرے کی سماجی ومعاشرتی اور معاشی ضروریات کی تکمیل وغیرہ اہم ہیں۔

(۴)......اسلام کا خاندانی نظام______انسانیت کے لیے رحمت

اسلام کا خاندانی نظام ہو یا زندگی کے دیگر نظاموں سے متعلق اسلام کے اصول وضوابط، وہ انسانیت کے لیے سراسر رحمت اور خیر کا باعث ہیں کیونکہ اسلام کے تمام اصول وضوابط انسانی فطرت سے قریب ہیں اور ہر وہ اصول جو انسانی فطرت سے میل کھاتے ہوں وہ انسانیت کے حق میں بہتر اور نتیجہ خیز ہوں گے۔

اسلام کا خاندانی نظام یہ ایک نظریاتی نظام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی انسانوں نے اپنی سماجی زندگی کی تشکیل صحیح اسلامی خطوط پر کی تو وہ ایک بہتر نظام زندگی کے حامل ہوئے۔ اور آج بھی سماج کے بکھرتے ہوئے نظام میں اگر اس شیرازہ کو سمیٹنے کا واقعی کوئی طریقہ ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔

سراج احمد برکت اللہ فلاحی، نیپال، ای میل:

اسلام اللہ کا نازل کردہ دین ہے۔ اللہ نے تخلیق آدمؑ کے ساتھ ہی یہ بات طے کر دی تھی کہ ابن آدم کے لیے زندگی گزارنے کا جو طریقہ، عبادت واحکام اور اصول ہوں گے وہ اسلام ہی ہوگا۔ آدمؑ سے لے کر روز قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لیے اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے۔ ان کی دنیا وآخرت کی بھلائی اور نجات اسی میں ہے۔

اللہ کی صفت رحیم ہے، رحمٰن ہے، ایک ایک انسان کے دل کے بھیدوں کو جاننے والا ہے، وہی انسان کا خالق ہے، اور خود انسان سے کہیں زیادہ اور بہتر وہ انسانوں کو جانتا ہے۔ ان کی فطرت، کمزوریاں، قوتیں، ضروریات اور علائق غرض تمام چیزوں سے نہ صرف یہ کہ واقف ہے بلکہ وہی خالق ہے۔ اسی اللہ کا نازل کردہ دین اسلام ہے، اس کی رحمت اس کے غضب پر اور اس کے ہر فیصلہ پر غالب ہے۔ وہ انسانوں سے حد درجہ محبت کرتا ہے۔ وہ ایک ایک انسان سے اتنی زیادہ محبت کرتا ہے جتنی دنیا کی کوئی ماں اپنی اولاد سے نہیں کر سکتی ہے۔

ظاہر ہے ایسی صفات والے رب کا نازل کردہ دین رحمت ہی رحمت ہوگا اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور یہ پوری انسانیت کے لیے رحمت ہی رحمت ہے۔ اس کی تعلیمات انسانوں کی زندگی کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے۔ ذیل کی اس مختصر تحریر میں اسلام کے صرف عائلی نظام کی چند جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں۔ جن سے واضح ہوگا کہ دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح عائلی زندگی میں بھی اسلام کی تعلیمات رحمت پر مبنی ہیں۔

عائلی زندگی اس پہلو سے بہت اہم ہے کہ اس دائرہ حیات میں اگر خوش گوار ماحول میسر ہو تو نہ صرف یہ کہ افراد خاندان خوش خوش اپنے کام کرتے نظر آئیں گے، باہم الفت ومحبت قائم رہے گی، سب ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے بلکہ گھر خاندان کے مسائل سے اوپر اٹھ کر اجتماعیت کے لیے آدمی وقت نکال سکے گا، قیادت سازی، اقامت دین، تعلیم وتدریس، دعوت وتبلیغ اور دیگر سارے اجتماعی فرائض کو انجام دینا سہل ہوگا اور اس بات کی قوی امید ہے کہ ایسا معاشرہ ترقی کی جانب گامزن ہوگا اور اس کو باصلاحیت قیادت ملتی رہے گی۔ اس پہلو سے عائلی زندگی بہت اہم ہے۔ افسوس کہ مسلمان عائلی زندگی میں اسلامی تعلیمات کا پاس ولحاظ نہ کرنے کی وجہ سے اجتماعی زندگی میں بہت پیچھے ہیں۔ اور اچھے اچھے دین پسند اور قابل لوگ گھر گاؤں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ ملک وملت کی سطح پر آ کر قیادت وسیادت کے فرائض انجام دینے کی فرصت نہیں پاتے ہیں۔

عائلی زندگی میں ہمارے یہاں مشترکہ خاندان کے پس منظر میں سب سے اہم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ خاندان میں والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ، ان کی عزت وخدمت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے۔ اور عائلی مسائل میں ان کی رہنمائی وسرپرستی قبول کی جانی چاہئے۔ یہ سب سے پہلا اور بنیادی اصول ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ سے پوچھا گیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے افضل عمل کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے بتایا: وقت پر نماز کی ادائی، پھر پوچھا گیا تو کہا: والدین کے ساتھ حسن سلوک، پھر پوچھا گیا تو کہا: جہاد فی سبیل اللہ۔ (ترمذی حدیث نمبر: ۱۸۹۸)

ایک خاندان جس کے افراد میں ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، بھائی بہنیں، دادا دادی، نند بھاوج، اور دیگر لوگ ہوتے ہیں، ان سب میں سب سے اول حیثیت میاں اور بیوی کی ہے۔ یہی خاندان کی اساس ہیں، ان سے خاندان بنتا اور پھیلتا ہے اور ان کا باہمی رشتہ نکاح کے ذریعہ وجود پاتا ہے۔ اسلام کی

ہدایت ہے کہ نکاح دینی ضرورت ہے۔خوب صورتی، خاندان، دولت کے بجائے دین کی بنیاد پر نکاح کا فیصلہ کرو۔ دین پسند لڑکی کو نکاح کے لیے منتخب کرو۔یعنی جب لڑکی سے امید ہو کہ دین پر عمل کرے گی، دین کے کاموں میں ہمارا معاون ثابت ہوگی، جو بچے جنم دے گی وہ امت محمد یہ کا حصہ ہوں گے اور اس کی کثرت کا سبب ہوں گے۔

اس ہدایت کے ذریعہ جنسی انارکی کا دروازہ بند کیا گیا، ہوس کا پابند کر دیا گیا۔ یہ ہدایت دونوں کے لیے ہے۔اس طرح لڑکی لڑکا دونوں کو دین کی طرف راغب کیا گیا، اگر نکاح کرنا ہے تو دین اختیار کرو، دین پسند بن کر رہو، بے پردہ گھومنے والی لڑکیوں، فحش، زنا و بدکاری اور دیگر گندے کاموں میں ملوث لڑکیوں سے کوئی نکاح نہیں کرے گا۔اچھے اور نیک لڑکے اچھی اور نیک لڑکی سے ہی نکاح کریں گے۔

دوسری اہم ہدایت نکاح کے وقت کر دی گئی ہے کہ نکاح کے ذریعہ جونئی زندگی شروع کر رہے ہو، اس کو مکمل اللہ کی اطاعت میں بسر کرنا ہے، متقی و پرہیز گار بن کر رہو، ہر وقت اللہ کے غضب سے بچ کر رہو، دل میں اللہ کا خوف پیدا کرو، اللہ کی محبت پیدا کرو، اللہ کا یقین پیدا کرو، جو بھی کام کرو یا کوئی فیصلہ لو تو اللہ کو حاضر سمجھ کر فیصلہ لو۔ ہر کام کا اللہ کے یہاں حساب دینا ہوگا۔ یہ ہدایت خطبۂ نکاح میں پڑھی جانے والی آیات میں بار بار دوہرائی گئی ہے۔ یہ نکاح خالص دینی عمل ہے، سنت نبوی ہے، تسکین نفس کے لیے ہے، نسل کی افزائش اور بقا کے لیے ہے، اللہ نے ہی آدم وحوا کے ذریعہ بنی نوع انساں کو پیدا کیا اور دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا ہے۔ وہی سارے انسانوں کا نگہبان بھی ہے۔سب کے اچھے برے اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اللہ کی محبت اور اس کا خوف اگر واقعی دلوں میں سما جائے تو انسان کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا، کسی کے ساتھ ظلم و جبر، حق تلفی، ناانصافی اس سے سرزد نہیں ہو سکتی ہے۔

نکاح کے بعد جو اسلامی تعلیمات ہیں، ان میں میاں بیوی کی جنسی ضروریات کے پاس ولحاظ کے ساتھ ایسی تمام بنیادی ہدایات اسلام نے دی ہیں جن کی پابندی کی جائے تو عائلی زندگی خوش گوار ہوگی۔ مقصد نکاح لتسکنوا الیھا، (الآیۃ) فانی مکاثر بکم الأمم ،(الحدیث) بتایا گیا ہے۔شوہر کو ہدایت ہے، اپنی وسعت کے مطابق نکاح کے وقت مہر ادا کرو، نان ونفقہ کا بہتر بندوبست کرو، بیوی کے رشتہ داروں کا احترام کرو، بیوی کی جنسی ضروریات کا بھرپور لحاظ رکھو، بیوی کی عزت و ناموس کی پوری پوری حفاظت کرو، اس کی عزت نفس کا خیال رکھو، اس سے بے پناہ محبت کرو، اس کے ساتھ حقوق میں عدل کرو۔

بیوی کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ شوہر کی قوامیت کو برضا و رغبت قبول کرے، اس کے حکم و مشورے

پرعمل کرے، اس کی اطاعت کرے، اس سے اٹوٹ محبت کرے، اس کی خواہشات کا احترام کرے، اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال کی اور اس کی عزت کی حفاظت کرے، اچھے برے ہر حال میں اس کا شکر ادا کرے، اور اس کا مکمل ساتھ دے۔ ظاہر ہے ان ہدایات کی پابندی ہو تو گھر کا ماحول کبھی خراب نہیں ہوگا، سکون کے ساتھ خاندان کا ہر فرد اپنے اپنے کام انجام دے گا۔

میاں بیوی کے علاوہ خاندان کے جو دوسرے افراد ہیں، ان کے بارے میں بھی صاف ہدایت ہے کہ ماں باپ سب سے زیادہ تمہارے حسن سلوک کے مستحق ہیں۔ ان کی خدمت کرو، ان کی ضروریات کا انتظام کرو، ان کو آرام دو، ان کی بات مانو، ان سے مشورے طلب کرو، گھر کا نگراں اور مالک کی طرح ان سے معاملہ کرو۔ بڑے بھائی بہنوں کی عزت کرو، ان سے خوش گوار تعلق بنا کر رکھو، دکھ درد میں ساتھ دو، مل جل کر گھر اور خاندان کی ضروریات پوری کرو اور کوئی مسئلہ درپیش ہو تو باہم مشورے سے حل کرو۔ چھوٹے بھائی بہنوں کا خیال رکھو، ان کو خوش رکھو، ان کی ضرورت پوری کرو، ان کی تعلیم و تربیت پر نظر رکھو، کہیں سے آؤ تو ان کے لیے تحائف لے کر آؤ۔ گھر خاندان کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں ان کو شریک کرو، ان کی عملی تربیت کرو تا کہ وہ پختہ ہو جائیں۔

بال بچوں کی پرورش پر زیادہ توجہ دو، پیار و محبت سے ان کی تربیت کرو، ان کی ضروریات پوری کرو، ان کی تعلیم و تربیت پر مکمل توجہ دو، ان پر خرچ کرو، ان کو ہنساؤ اور خوش رکھو، جیسے جیسے بڑے ہوں اسلامی آداب کا حامل بناؤ۔ واضح رہے بیوی ان تمام کاموں میں شوہر کی مددگار ہوگی، اس کا ہاتھ بٹائے گی، اس کی ہدایت پر عمل کرے گی اور اس کا برتاؤ ان تمام معاملات میں ایسا ہوگا کہ شوہر اس کے کام کو دیکھ کر خوش ہوگا۔

اس مختصر تحریر میں تفصیلات نہیں دی جاسکتی ہیں۔ البتہ یہ بات واضح رہے کہ اسلام نے عائلی زندگی سے متعلق بہت تفصیل سے ایک ایک فرد کو ہدایت دی ہے کہ بیوی کی ذمہ داریاں کیا ہیں، مثالی اور نیک بیوی کی خوبیاں کیا ہیں، شوہر کی ذمہ داریاں کیا ہیں، نیک اور مثالی شوہر کی ذمہ داریاں کیا ہیں، شادی سے پہلے کے کام اور شادی کے بعد قرار حمل سے لے کر پیدائش تک، پیدائش سے لے کر بلوغت تک، بلوغت سے لے کر نکاح تک، نکاح سے لے کر بڑھاپے بلکہ موت تک کے بارے میں الگ الگ اور واضح ہدایات ہیں۔

اسلام نے قتل جنین سے روکا ہے، لڑکیوں کو بے پردہ گھومنے سے روکا ہے، اجنبی مردوں سے

شناسائی کرنے سے روکا ہے، مخلوط مجالس میں جانے سے روکا ہے، زنا کو حرام کہا ہے، شادی کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے سے حد درجہ محبت کریں، بیوی شوہر کے سامنے اور شوہر بیوی کے سامنے اجنبی مرد یا عورت کا تذکرہ نہ کرے۔ بیوی شوہر کی ضرورت کے لیے ہمیشہ تیار رہے، اور شوہر بیوی کی جنسی خواہشات کا پورا خیال رکھے۔ پردے کے احکام، بلا اجازت گھروں میں داخلہ ممنوع، وقت پر بچوں کی شادی کا حکم، ان کی دینی تربیت، تقوی وطہارت کے آداب سیکھانا، غرض ایسے آداب ہیں کہ ان کی پاس داری عائلی زندگی میں کرلی جائے تو ہر قسم کی برائی سے محفوظ رہا جاسکتا ہے اور یہ سب کے لیے رحمت ہوگا۔ فرد فرد سے خاندان بنتا ہے اور خاندان خاندان سے معاشرہ اور سماج بنتا ہے۔ اگر عائلی زندگی میں حالات خوش گوار ہیں اور سب مطمئن ہیں تو ایک خاندان سے معاشرہ اور پھر پورا ملک خوش گوار ہوگا۔ اسلام کے عائلی نظام کا اثر لازماً انسانیت پر ہوگا اور وہ اس رحمت سے مستفید ہوگی۔

جوھر جاوید، گیا، موبائیل نمبر:08409640946

انسانی تہذیب وتمدن کی اصل الاصیل یا بالفاظ دیگر اس کی بنیاد ایک مرد اور عورت کی باہمی رفاقت ہے، انہی دو انسانوں سے مل کر بننے والا چھوٹا سا ادارہ انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی اور بنیادی اینٹ ہوتی ہے۔ اسی کو عائلی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کو چلانے کے لیے جو اصول وضوابط اور قوانین مقرر کیے گئے ہیں انہیں عائلی نظام کہتے ہیں۔

دین فطرت اسلام نے انسانی تمدن کی اس اہم ترین بنیاد کے لیے جو اصول وضوابط مقرر کیے ہیں ان میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ مرد وزن کی یہ مستقل رفاقت نکاح جیسے پاکیزہ عہد سے وجود میں آئے گی۔ یہ ایک کھلا ہوا معاشرہ ہوگا جو سب کی نظروں کے سامنے عمل میں آئے گا۔ نہ چوری چھپے اور نہ ہی خفیہ طریقہ پر۔

قرآن کریم نے نکاح کے معاہدہ کو میثاقاً غلیظاً کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ زن وشوہر رشتۂ نکاح کے بندھن میں بندھتے ہیں تو وہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔ یہ ذمہ داری یا حقوق محض چند دن یا چند ماہ کے لیے نہیں بلکہ ساری زندگی نبھانے کا عہد کرتے ہیں۔

اس میں ذرہ برابر بھی شبہہ نہیں کیا جاسکتا کہ دین متین اسلام نے تمدن ومعاشرت کی عمارت کو جس

حسن وخوبی اور خوبصورتی اور اعتدال وتوازن کے ساتھ تعمیر کیا ہے وہ صرف اور صرف اسی کا حصہ ہے۔ انسانی تہذیب وتمدن کی معلوم تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔صرف ایک معاہدۂ نکاح پر غور کریں، یہ کیا ہے؟ یہی نا کہ ایک مرد وعورت بھری محفل میں خدا اور خلق خدا کو گواہ وشاہد بنا کر عائلی زندگی کی ذمہ داریوں کو نبھانے کا عہد و پیمان کرتے ہیں۔اور دونوں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ عائلی زندگی کی اس گاڑی کو باہمی مفاہمت و ہمدردی، محبت والفت، احترام وعزت اور دیانتداری ووفاداری کے ساتھ نبھائیں گے۔اور جو ایسا نہ کرے گا وہ واقعی قانون الٰہی سے سرتابی کرے گا کیونکہ قرآن کریم نے جہاں عہد نکاح کو میثا قا غلیظا کہا ہے وہیں ان اصول وقوانین اور احکام کو حدود اللہ (اللہ کی مقرر کردہ حدیں) سے تعبیر کیا ہے۔

اس اقرار کے بعد جو عائلی نظام وجود میں آتا ہے اس سے افراد کی زندگی میں سکون، استقلال اور نشاط پیدا ہوتا ہے۔اور یہی چیز ان کی انفرادیت کو اجتماعیت میں تبدیل کرتی ہے۔اس نظام کے دائرے میں محبت اور امن وایثار کی وہ پاکیزہ فضا پیدا ہوتی ہے جس میں نئی نسلیں صحیح اخلاق، صحیح تربیت اور صحیح قسم کی تعمیر سیرت کے ساتھ پروان چڑھ سکتی ہیں۔

اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر استوار عائلی زندگی مرد وزن کے لیے راحت وسکون کا موجب ہوتی ہے اور خاندان ومعاشرے کے لیے بھی۔ایک جائز تعلق نکاح سے بننے والے رشتہ کے نتیجے میں دو خاندان آپس میں شیر وشکر ہو جاتے ہیں۔معاشرے کی بنیادیں مستحکم اور پائیدار ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے ہمدردی وغم گساری، الفت ومحبت اور تعاون وخیر خواہی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔اور ان سب اعلیٰ خصوصیات کے نتیجے میں خاندانی نظام کے اعلیٰ مقاصد کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ باضابطہ علانیہ نکاح سے معاشرے میں عفت و پاکدامنی کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اس میں نگاہوں کی پاکیزگی کا سامان بھی ہے اور قلب کی طہارت کا سامان بھی۔اسی میثا قا غلیظا کے نتائج کے طور پر فریقین میں جو خصوصیات پیدا ہوتی ہیں۔ان میں محبت و ہمدردی، پاکدامنی و پاکیزگی، صالح و خدا ترس معاشرہ کی تشکیل، معتدل ترین خاندان کی تعمیر، اسلامی رہنما اصولوں پر تربیت، فریقین کی حقوق شناسی اور ان کے حقوق کو لازمی وضروری سمجھنا جیسی چیزیں شامل ہیں جن سے ایک صحت مند و پر اعتماد فضا فریقین کے درمیان استوار ہوتی ہے۔اور ازدواجی ومعاشرتی زندگی بوجھ بننے کے بجائے خوشی ومسرت اور شادمانی وکامرانی کا ذریعہ بنتی ہے۔

دوسری اہم چیز جو عائلی زندگی کے تعلق سے اسلام نے بیان کی ہے وہ مرد کی قوامیت ہے۔ خاندانی نظام زندگی کا اصل ذمہ دار وہی ہوتا ہے اسی پر اہل خانہ کے نان ونفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جبکہ عورتوں کی ذمہ داری گھروں کی تہذیب اور بچوں کی پرورش کی ذمہ داری ہے۔

موجودہ دور اور ان ایام کے پس منظر میں جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا اسلام کی اہم ترین خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ اس نے خواتین کو عزت واحترام اور شرف سے نوازا۔ ماں کی حیثیت میں جہاں وہ وراثت میں حقدار ٹھہرتی ہے وہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے قدموں تلے جنت کی ابدی بشارت دے کر ماؤں کی قدر ومنزلت کا وہ مقام بیان کیا جس سے آگے کوئی مقام ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح ایک خاتون بہن کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے اور بیٹی کی حیثیت سے بھی وراثت میں حصہ دار بتائی گئی۔ ان قوانین کو جس شدت وتاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم پر نظر رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔

عائلی نظام کا ایک تصور وہ بھی ہے جو آج مغرب میں چل رہا ہے۔ یہاں اس کے تمام اجزاء پر گفتگو ممکن نہیں۔ پھر بھی چند باتیں آجانی چاہئیں جن سے سکے کے دونوں رخ کا پتہ چل سکے۔ اہل یورپ کو اس بات پر فخر ہے کہ انہوں نے خواتین کے حقوق کی از سر نو بازیابی کی۔ انہیں مردوں کے برابر حقوق دے کر انسانی تاریخ کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ مگر حقیقت بیں نگاہیں جانتی ہیں کہ یہ سودا خواتین کے لیے کس قدر وبال جان ثابت ہوا ہے۔ مغرب کا یہ معاشرہ جو آج بے انتہا برائیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے وہ اسی ایک شجر خبیثہ کے برگ وبار ہیں اس کا احساس مغربی دانشوران کو بھی ہے۔

مغربی تہذیب میں عائلی نظام بری طرح بکھر چکا ہے۔ وہاں کی ازدواجی زندگی میں صرف اور صرف جنسی تسکین ہی مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کو ترقی وکامرانی کی علامت سمجھ بیٹھے ہیں اور اسی کے حصول اور فروغ کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر رہے ہیں۔

اس آزادانہ اختلاط کے حتمی نتائج کے طور پر مغرب کو جو سوغات ملی ہے اس نے سنجیدہ اور ذہین افرادِ مغرب کی ہی نیندیں اڑا رکھی ہیں۔ انتہا درجہ کی بے حیائی، فحاشی اور عریانیت سے مغربی معاشرہ تباہی کے دہانے پر ہے۔ خاندانی نظام کا عالم یہ ہے کہ عورتیں بچے پیدا کرنا نہیں چاہتیں۔ نسلوں کی افزائش پر روک لگا دی گئی ہے۔ ناجائز بچوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ جو والدین کی حقیقی محبت والفت سے ناآشنا جوان ہو کر نہ تو سماج کے تئیں اپنی ذمہ داری کا احساس کر پاتے ہیں اور نہ ہی اپنے

خاندان کے تئیں۔ والدین کو ایک عمر کے بعد نرسوں اور ہسپتالوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ جہاں اولاد پر صرف ان کے اخراجات ہی ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، ان کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں۔ آزادانہ اختلاط اور عفت و پاکدامنی سے عاری مغربی معاشرہ صنفی آوارگی، فاحشہ گری، اخلاقی حس کا تعطل، نفس پرستی، فحاشی، عریانیت، امراض خبیثہ، نسل کشی اور طلاق وتفریق جیسے امراض سے گھرا ہوا ہے۔

ظاہر ہے جس معاشرے کو ایک نہیں ہزاروں روگ لگ گئے ہوں اسے تباہی و بربادی سے بچانا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔ عائلی نظام کے تعلق سے مغربی معاشرہ اپنی انتہا کو پہنچ کر جن نتائج سے نبرد آزما ہے وہ مغربی مفکرین کے لیے بھی ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ ان امراض کے رہتے ہوئے ایک مضبوط عائلی نظام کا تصور محال ہے۔ مولانا مودودیؒ کے یہ الفاظ بہت سچی تصویر بیان کرتے ہیں: ''جہاں ذواقین وذواقات کے لشکر کے لشکر بھونروں کی طرح پھول پھول کا رس لیتے پھرتے ہوں وہاں یہ نظام نہ قائم ہوسکتا ہے نہ قائم رہ سکتا ہے''۔

ایک مغربی مفکر نے بھی اس کا صحیح تر اندازہ بہت پہلے کرلیا تھا کہ مسیحی تہذیب بھی ایک دن فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ اس نے فحش لٹریچر، متحرک تصاویر اور عورتوں کے گرتے ہوئے اخلاقی معیار کو تین شیطانی قوتوں سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں لگے ہیں۔ مفکر کے اپنے الفاظ میں یہ تین چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی چلی جارہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب ومعاشرت کا زوال اور آخر کار تباہی ہے۔ اگر ان کو روکا نہ گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان دوسری قوموں کی طرح ہوگی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت، شراب اور عورتوں اور ناچ ورنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے۔

یہ حقیقت سورج سے بھی زیادہ روشن ہے کہ صرف اور صرف اسلام کا ہی عائلی نظام عالم انسانیت کو تباہی و بربادی سے بچا سکتا ہے۔ اسلام کے عائلی نظام کو اگر بے کم وکاست قبول کیا جاتا ہے تو یہ انسانیت کے لیے رحمت ہی رحمت ثابت ہوگا۔ اس سے جہاں افراد کی زندگیوں میں انقلابی تبدیلی رونما ہوگی وہیں معاشرہ بھی خوشگوار تبدیلی کا گواہ بنے گا۔ اس بات کی ضرورت نہیں بلکہ اشد ضرورت ہے کہ مسلمانان عالم اسلام کے عائلی نظام کو دل وجان سے قبول کریں، اس پر عمل پیرا ہوں اور اس کے خوشگوار نتائج سے جس میں کہ رحمت ہے دیگر تہذیب عالم کو آگاہ کریں۔

اللہ ہم مسلمانوں کو اسلام کے عائلی نظام کی برتری کو قبول کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور اس کو قبول کرنے والا اور اس پر عمل پیرا ہونے والا بنائے۔ آمین یارب العالمین

محمد انس فلاحی سنبھلی، اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ۔ای میل:
anasfalahi@gmail.com

دنیا اس وقت جن لاتعداد بحرانوں سے دوچار ہے،ان میں سرفہرست خاندانی نظام کا بحران ہے، خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔مرد وزن دونوں ہی اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔امریکہ ویورپ میں خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔مرد وزن دونوں ہی شادی کے بندھن میں بندھنے کو قید اور غلامی سمجھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایک سروے کے مطابق امریکہ میں ۵۰ رفیصد بچے شادی کے بغیر پیدا ہوتے ہیں،جن کی پرورش و پرداخت شیلٹر ہوم میں ہوتی ہے، جہاں بچوں کو محض پال کر بڑا کرنا مقصود ہوتا ہے، ان کی تعلیم وتربیت میں خاص دلچسپی نہیں لی جاتی، وہاں بچے باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا کو ترستے ہیں۔اسی طرح بوڑھے والدین اولڈ ایج ہوم میں زندگی گزانے پر مجبور ہیں،جن سے ان کے بچے کسی خاص موقع سے ملنے کے لیے آجائیں تو بڑی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کی بات سمجھی جاتی ہے۔ ورنہ عموماً بچے والدین کی وفات پر آخری رسومات ہی ادا کرنے پہنچتے ہیں۔اسی ضمن میں اکبرالہ آبادی نے مغربی تہذیب پر خوبصورت تنقید کی ہے ؎

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال میں جا کر

یہ اس تہذیب،اس معاشرے اوران ممالک کا حال ہے جو صنعتی ترقی اورعلوم وفنون میں سب پر فائق ہیں۔جن کی طرف دنیا رشک بھری نگاہ سے دیکھتی ہے۔جن کے کلچر کو مشرق میں فیشن کے طور پر قبول کیا جارہا ہے۔مزید برآں اس فیشن اور کلچر کو فخر اور جدت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

مغرب نے آزادی کے نام پر خاندانی نظام کی بنیادی اینٹ کو جب گھر سے باہر بلا حدود وقیود نکال دیا تو یہی ہونا تھا۔''عورت'' جسے خالقِ کائنات نے صنفِ نازک بنایا ہے،مغرب نے اسے مردوں والے کام کرنے پر مجبور کردیا، اسے مارکیٹ کی زینت بنا دیا، اشیائے خوردونوش کے اشتہار کا ذریعہ بنا دیا۔جس سے نہ اس کی عزت باقی رہی اور نہ نسوانیت۔اوراس پر جو ذمہ داریاں ایک بیوی،ایک ماں ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتی ہیں وہ سب دھری کی دھری رہ گئیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ شوہر باہر کی راہ دیکھنے لگا اور بچے ماں کی ممتا کو ترس گئے۔مغرب نے آزادی کے نام پر مرد وزن کے بلا حدود اختلاط کی اجازت دی تو نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرہ بے راہ رو ہو گیا،اخلاقی اقدار فنا ہو گئیں اور نہ جانے کیا کیا خرابیاں لوگوں نے

شخصی آزادی کے نام پر قبول کیں۔مغربی تہذیب کے ان ہولناک نتائج کی جانب اشارہ علامہ اقبالؒ نے قیام انگلستان کے دوران (بانگ درا میں) کیا تھا ۔

دیارمغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو،وہ اب زرکم عیار ہوگا
تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا،ناپائیدار ہوگا

غرض دنیا خاندانی نظام کے تباہ ہونے سے کسمپرسی کی حالت میں ہے۔لوگ بے چین ہیں،کراہ رہے ہیں،سسک رہے ہیں،بلک رہے ہیں اور تڑپ رہے ہیں،حدتو یہ ہے مایوسی اور ڈیپریشن کی وجہ سے خودکشی کررہے ہیں۔ایسے میں انہیں ایسے فیملی سسٹم کی ضرورت محسوس ہورہی ہے جوان کے بکھرے ہوئے خاندان کو جوڑ دے،جو بچوں کو باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا دلا سکے۔ان کے اس درد کی دوا اسلام ہی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے،وہ انسان کی فطری ضرورتوں اور تقاضوں سے بخوبی واقف ہے۔چونکہ اسلام خالق کائنات کا نازل کردہ دین ہے،جس نے انسان کی تخلیق کی ہے،اس لیے وہی ان کی ضروریات اور تقاضے ان کی فطرت کے مطابق پورے کرسکتا ہے۔اسلام جہاں انسان کی مادی اور روحانی ضرورتیں پوری کرتا ہے،وہیں اس بات کا بھی خیال رکھتا ہے کہ انسان کی جسمانی اور جنسی ضرورتوں کی بھی تکمیل کی جائے۔اسلام نے انسان کی ہرضرورت بڑی خوش اسلوبی اور فطری طریقے سے پوری کی ہے۔اسلام نے مردوزن کے فطری جذبات کو کچلا نہیں ہے،بلکہ اس نے اس کی تکمیل کے لیے کچھ حدود قوانین متعین کیے ہیں۔

نکاح کا اسلامی تصور

اسلام نے فطری جذبے کی تکمیل کے لیے نکاح کا نظام قائم کیا ہے۔مروزن دو گواہوں اور قاضی کے سامنے ایجاب وقبول کے ذریعے ازدواجی رشتے میں بندھ جاتے ہیں۔اسلام نکاح پر ابھارتا بھی ہے،اس سلسلے میں متعدد احادیث نبوی ﷺ کتب احادیث نبوی ﷺ میں منقول ہیں،جیسے:یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج، فانه اغض للبصر واحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم، فانه له وجاء (علقمہ بن قیسؓ،حدیث رقم:۱۸۴۵،باب ماجاءفضل النکاح،سنن

ابن ماجہ)

(اے نو جوانو! تم میں سے جو نکاح کرنے کی سکت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہیے، کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے، اور جو نکاح کی ذمہ داریاں اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ شہوت کا زور توڑنے کے لیے وقتاً فوقتاً روزہ رکھتا رہے۔)

اسلام نے نکاح کے ثبوت کے لیے جہاں گواہوں اور ولی کی شرط رکھی ہے، وہیں مہر کی ادائیگی کو بھی لازم قرار دیا ہے، جس کا مقصد اور حکمت بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں:

''مہر کے ذریعے نکاح پائدار ہو جاتا ہے، مہر کے ذریعے نکاح کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ مہر لڑکی کے اولیاء کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنتا ہے، وہ یہ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ایک شخص ان کی بیٹی کا مال کے ذریعے مالک بن رہا ہے۔ مہر کے ذریعے نکاح اور زنا میں تمیز واقع ہوتی ہے''۔(ص ۳۴۲، جلد ۲، باب لا نکاح الا بصداق، حجۃ اللہ البالغۃ دار احیاء العلوم بیروت ۱۹۹۲ء)

اسلام نے مہر کی کوئی رقم متعین نہیں کی ہے، بلکہ مہر کی رقم کو کم سے کم ادا کرنے اور لینے پر ابھارا گیا ہے، اور اس میں تقدیم اور تاخیر کی بھی گنجائش رکھی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ نکاح آسان سے آسان تر ہو جائے، اور زنا مشکل سے مشکل تر ہو جائے۔ یہ بدیہی حقیقت ہے کہ جب معاشرے میں جائز کام کو بلا وجہ حدود وقیود اور رسوم ورواج میں جکڑ دیا جاتا ہے تو وہ مشکل ہو جاتا ہے، اور اس کے برعکس چیزیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف ہر فرد معاشرے پر طائرانہ نظر ڈالتے ہی کرے گا۔

اسلام نے نکاح کے کئی مقاصد بیان کیے ہیں۔ جن میں نسل کی حفاظت، تسکین نفس، مرد وزن کے باہمی تعاون کے لیے یعنی مرد اپنے کام کے لیے عورت کا محتاج ہے اور عورت اپنے کام کے لیے مرد کی محتاج ہے۔ اس نے باہمی تعاون کے لیے مرد وزن کو ازدواجی زندگی گزارنے کی تلقین کی ہے۔ مذکورہ بالا مقاصد پر ایک لمحہ غور کرنے کے بعد ہی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام نے محض تسکین نفس کے لیے ہی مرد وزن کو عقد نکاح میں نہیں باندھا ہے، بلکہ اس کے پیچھے مذکورہ حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

ازدواجی زندگی کے حقوق وفرائض

اسلام نے میاں اور بیوی دونوں پر کچھ حقوق اور فرائض ایک دوسرے سے متعلق رکھے ہیں، تاکہ ان کی ازدواجی زندگی پرسکون اور پرلطف ہو، نیز یہ ازدواجی زندگی ایک مثالی خاندان کی بنیاد میں اہم رول ادا کر سکے۔

بیوی کے تعلق سے مرد پر اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری عائد کی ہے، اسے اس حق کے ذریعے کسبِ معاش کی صعوبتوں اور مشکلات سے آزاد رکھا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

تطعمها اذاطعمت، وتکسوها اذا اکتسیت، ولا تضرب الوجه، ولا تقبح، ولا تهجر الا فی البیت (بھز بن حکیمؓ، حدیث رقم: ۲۰۰۲۲۲، مسند احمد)

ترجمہ: ''جب تم کھاؤ تو اسے کھلاؤ، جب (لباس) پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے چہرے پر نہ مارو، اس کے لیے بد دعا کے الفاظ نہ کہو اور اگر اس سے ترکِ تعلق کرو تو صرف گھر میں کرو''۔

علاوہ ازیں بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک، محبت وشفقت سے پیش آنے کی تلقین کی گئی ہے، اور اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح بیوی کے ذمہ شوہر کے کچھ حقوق ہیں۔ بیوی شوہر کی اطاعت کرے، اس سے محبت کرے، اس کے بچوں کی تربیت کرے، اس کی ضرورتوں کا خیال کرے، گھر سے نکلتے وقت اس سے اجازت طلب کرے۔ شوہر کے لیے زیب وزینت اختیار کرنے کی بھی تاکید کی ہے تاکہ وہ شوہر کے لیے تسکین قلب ونفس کا ذریعہ بنے، اگر وہ روٹھ جائے یا خفا ہو جائے تو اسے منانے کی کوشش کرے۔ اس کے علاوہ بھی دیگر حقوق بیان ہوئے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

قانونِ طلاق: حکمت اور ضرورت

میاں وبیوی کے درمیان اگر نباہ نہ ہو رہا ہو، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر رضا مند نہ ہوں اور زندگی تلخ محسوس کر رہے ہوں، باہمی محبت کے جذبات ختم ہو گئے ہوں اور آئے دن جھگڑے کرنا ان کا معمول بن گیا ہو، اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنا نہ چاہتے ہوں تو اسلام اس سلسلے میں سب سے پہلے شوہر کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ اگر بیوی کی طرف سے سرکشی اور نافرمانی ہو رہی تو اس کو سمجھانے کی کوشش کرے، اور اسی وجہ سے اس سے علیحدگی اور بوقت ضرورت مارنے کی بھی اجازت دی ہے، جس میں تشدد اور زخم پہنچانے کا جذبہ کارفرما نہ ہو۔ ارشاد باری ہے:

وَاللاَّتِیْ تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِیْ الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُواْ عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيّاً كَبِيْراً. (سورہ النساء: ۳۴)

(اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور مارو، پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو، یقین رکھو

کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالاتر ہے۔)

اگر اس کے باوجود بھی ان دونوں کے درمیان صلح وصفائی نہ ہو پائے تو اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ اب ان کے گھر والے انہیں سمجھانے کی کوشش کریں، ارشاد باری ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُواْ حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيماً خَبِيراً۔ (سورہ النساء:۳۵)

(اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورتحال نکال دے گا' اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔)

دونوں طرف کے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اگر میاں و بیوی کے درمیان اَن بَن ہو رہی ہے، تو وہ انہیں سمجھانے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی ایسی وجہ ہے جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی ہے، تو اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ غرض اس سلسلے میں ہر ممکن طریقہ آزمانے کی کوشش کریں۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہوں اور ہر قیمت پر علیحدگی چاہتے ہوں، تو اس صورت میں اسلام نے عقد نکاح میں بندھنے کے بعد مجبور نہیں کیا ہے کہ وہ لامحالہ تاعمر یونہی گھٹ گھٹ کر جیتے رہیں، بلکہ اس نے طلاق وخلع کے عنوان سے چند ضوابط وقوانین بیان کیے ہیں۔

اسلامی نظام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان کے درمیان فوراً علیحدگی نہیں کرا دیتا ہے، بلکہ انہیں سوچنے اور سمجھنے اور رجوع کرنے کا موقع دیتا ہے، ہوسکتا ہے کہ ان کے درمیان پھر سے محبت پیدا ہوجائے۔ اس لیے اسلام پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کا اختیار دیتا ہے، اور عدت کے بعد از سر نو نکاح کی اجازت دیتا ہے۔ البتہ تیسری طلاق کے بعد ہمیشہ کے لیے علیحدگی کا حکم دے دیتا ہے، تاکہ کوئی شخص طلاق کو بطور ہتھیار استعمال نہ کرے اور بیوی کو زدوکوب کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً اس ہتھیار کا استعمال کرتا رہے۔ دیکھا جائے تو دو طلاق کے اندر رجوع کی مدت غور وفکر، سمجھنے اور سمجھانے اور صلاح ومشورے کے لیے کافی ہے۔

یہ بہت بنیادی حق ہے جو اسلام نے ازدواجی زندگی کے لیے دیا ہے۔ اگر نباہ نہ ہو سکے تو سلیقے اور خوش اسلوبی سے علیحدہ ہوجائیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام نے شوہر کو یہ تعلیم بھی دی ہے کہ وہ ذرا ذرا سی باتوں کو

جھگڑے کا سبب نہ بنائے۔ایسا نہ ہو کہ یہ جھگڑے طلاق کا پیش خیمہ ثابت ہوں۔اوراس کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں پر درگزر سے کام لے۔اوراس کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارنے کی کوشش کرے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً۔ (سورہ النساء:۱۹)

(ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔)

وراثت کا اسلامی تصور

اسلام کے عائلی نظام میں جہاں دوسرے حقوق دیئے گئے ہیں، اسی میں ایک حقِ وراثت بھی ہے۔ وراثت کے مسائل کا جس تفصیل واہتمام کے ساتھ قرآن نے ذکر کیا ہے وہ دیگر احکامات کے سلسلے میں نہیں ملتا ہے۔خاندان کے ہر فرد کو وراثت میں شریک کیا ہے۔میت کی تجہیز وتکفین کے بعد ورثہ میں وراثت تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔المیہ یہ ہے کہ جس حکم کی تفصیل قرآن نے اتنی شرح وبسط کے ساتھ بیان کی ہے،اس کے تعلق سے مسلم معاشرے میں سب سے زیادہ غفلت برتی جارہی ہے۔بالعموم جو گھر میں سب سے بڑا یا جو زیادہ اثر ورسوخ والا ہوتا ہے وہی ساری وراثت ہڑپ کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

تربیت اولاد، بنیادی فریضہ

اسلام والدین پر اپنی اولاد کی تربیت، پرورش اور پرداخت کے سلسلے میں بہت توجہ اور ترغیب دلاتا ہے، کیونکہ یہی بچے خاندان اور معاشرے کا حصہ بنتے ہیں۔حدیث نبویﷺ ہے:

تم میں سے ہر شخص نگراں ہے، حاکم اپنی رعایا کا، مرد اپنے اہل وعیال کا،عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور خادم اپنے آقا کے مال کا،اورتم سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔(عن عبداللہ بن عمرؓ،مسند احمد)

ایک دوسری حدیث میں نبیﷺ نے فرمایا:

”أكرموا أولادكم أو حسنوا أدبهم “(انس بن مالک حدیث رقم:۳۶۷۱، باب برالوالد والاحسان الی البنات،سنن ابن ماجہ)

(تم لوگ اپنی اولاد کے ساتھ رحم وکرم کا برتاؤ کرواوران کواچھی تعلیم وتربیت دو۔)

غرض اسلام نے تربیتِ اولاد کے سلسلے میں والدین کوصرف حکم دینے پر ہی اکتفانہیں کیا، بلکہ تربیت کے سلسلے میں رہنما خطوط بھی متعین کیے ہیں۔بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت اوران کی ضرورتوں کا خیال،ان کواچھی تعلیم اوراچھی غذااوراچھالباس فراہم کرناوالدین کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

حقوق والدین

اسلام نے جس طرح اولاد کے حقوق بیان کیے ہیں اسی طرح والدین کے بھی حقوق بیان کیے ہیں۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعدانسانوں میں سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق کسی کوگردانا ہےتو وہ والدین ہی ہیں۔والدین کے سلسلے میں کیا کیاحقوق بیان کیے ہیں،اس کی تفصیل محض طول بیانی کا سبب ہوگی۔غرض والدین کے ساتھ جس حسنِ سلوک کا اسلام نےحکم دیا ہےوہ دیگر مذاہب میں دیکھنے کوکیا سننے کوبھی نہیں ملتا۔ایک حدیث نبویﷺ میں والدین کے حق سے متعلق ان الفاظ میں ذکرملتا ہے:

ان رجلا قال : یا رسول اللّٰہ ماحق الوالدین علی ولدهما قال هما جنتك ونارك۔(عن ابی امامہؓ حدیث رقم:۳۶۶۲،باب برالوالدین،سنن ابن ماجہ)

(ایک شخص نے نبیﷺ سے دریافت کیا کہ''والدین کا حق ان کی اولاد پر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:وہ تمہاری جنت ہیں اورتمہاری جہنم ہیں۔)

حرفِ آخر

اسلام کے عائلی نظام کی یہ خصوصیات''مشتے نمونہ ازخروارے''ہیں۔اسلامی ہدایات وتعلیمات پر مبنی عائلی نظام ہی انسانیت کے لیے رحمت ہے،جس میں ہرایک کوحقوق بھی دیے گئے ہیں اور ہرایک پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد کی گئی ہیں، اور ہرایک کا دائرہ کار متعین کر دیا گیا ہے۔جس خاندان میں یہ ہدایات اپنائی جائیں گی، یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ خاندان ایک اچھا معاشرہ تشکیل دینے میں نمایاں رول ادا کرسکتا ہے۔اوراچھا معاشرہ ہی ایک مثالی ریاست وحکومت تشکیل دے سکتا ہے۔ایک اچھے معاشرےاورریاست کی تعمیر وتشکیل کے لیےایک اچھے خاندان کا ہونا ازبس ضروری ہے۔

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۱۸)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱۰۱) أنفسکم کا ترجمہ

قرآن مجید میں بعضکم بعضا کی تعبیر متعدد مقامات پر آئی ہے، اور حسب حال مختلف ترکیبوں کے ساتھ استعمال ہوئی ہے، بعضکم بعضا کا ترجمہ ہوتا ہے 'ایک دوسرے کو' اور 'آپس میں' اور 'کوئی کسی کو' جیسے: ثُمَّ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ یَکۡفُرُ بَعۡضُکُم بِبَعۡضٍ وَیَلۡعَنُ بَعۡضُکُم بَعۡضاً (العنکبوت:۲۵) کبھی فعل کے ثلاثی مجرد کے بجائے باب تفاعل سے ثلاثی مزید میں استعمال ہونے سے بھی بعضکم بعضا کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے یقتل بعضهم بعضا کا مفہوم وہی ہے جو یتقاتلون کا ہے۔

اس کے علاوہ ایک تعبیر أنفسکم کی بھی آئی ہے، بہت سے مترجمین بہت سے مقامات پر اس کا ترجمہ بھی 'ایک دوسرے کو' کر دیتے ہیں۔ حالانکہ أنفسکم اس معنی میں نہیں آتا ہے، اور اس معنی میں لانے کے لیے مختلف توجیہات کرنی پڑتی ہیں۔

دراصل أنفسکم کے دو معنی ہیں، ایک ہے 'اپنے آپ کو' اور ایک ہے 'اپنے لوگوں کو' قرآن مجید میں یہ لفظ پہلے معنی میں بھی خوب استعمال ہوا ہے، اور دوسرے معنی میں بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ سیاق کلام اور محل استعمال سے یہ طے ہوتا ہے کہ کہاں کون سا معنی لیا جائے۔

دوسرے معنی کی ایک مثال ذیل کی آیت ہے، جس میں أنفسکم کا ترجمہ تمام مترجمین نے اپنے لوگوں کیا ہے:

(۱) فَإِذَا دَخَلۡتُم بُیُوتاً فَسَلِّمُوا عَلَی أَنفُسِکُمۡ۔ (النور:۶۱)

''بس بات یہ ہے کہ جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو'' (امین احسن اصلاحی)

''البتہ جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو'' (سید مودودی)

''پھر جب کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو'' (احمد رضا خان)

''پھر جب جانے لگو کبھی گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر'' (شاہ عبدالقادر)

''جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو'' (اشرف علی تھانوی)

''پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو'' (محمد جونا گڑھی)

آخری دونوں ترجموں میں ایک توجہ طلب امر یہ ہے کہ آیت میں بیوتا نکرہ استعمال ہوا ہے، اس لئے اول الذکر میں اپنے کے اضافے کے ساتھ اپنے گھروں اور موخر الذکر میں گھر کے اضافے

کے ساتھ اپنے گھر والوں کہنا درست نہیں ہے۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی کی رائے ہے کہ اس آیت کی طرح مذکورہ ذیل آیتوں میں بھی أنفسکم کا وہی مفہوم ہے جو فسلموا علی أنفسکم میں أنفسکم کا ہے، تاہم مفسرین اور مترجمین کہیں وہ ترجمہ کرتے ہیں اور کہیں کوئی دوسرا ترجمہ کرتے ہیں۔

(۲) وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُواْ إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ ۔ (البقرۃ:۵۴)

''یاد کرو جب موسی (یہ نعمت لیے ہوئے پلٹا، تو اس) نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر سخت ظلم کیا ہے، لہٰذا تم لوگ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو'' (سید مودودی)

زیر بحث جملے کے کچھ اور ترجمے بھی ملاحظہ ہوں:

''اور اپنے مجرموں کو اپنے ہاتھوں قتل کرو'' (امین احسن اصلاحی، یہاں أنفسکم کا مفہوم تو ادا کیا گیا ہے، لیکن اپنے ہاتھوں کہنا زائد ہے، اس کی لفظ اور معنی دونوں ہی لحاظ سے کوئی گنجائش نہیں ہے)

''پھر بعض آدمی بعض آدمیوں کو قتل کرو'' (اشرف علی تھانوی)

''اور مار ڈالو اپنی اپنی جان'' (شاہ عبدالقادر)

''تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو'' (احمد رضا خان)

اس آیت میں واقعہ کے لحاظ سے نہ تو اپنے آپ کو قتل کرنے کا محل ہے اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے کا محل ہے، بچھڑے کو معبود بنانے کے ظلم میں سب لوگ شریک نہیں تھے، اس لئے جو لوگ شریک تھے ان کے بارے میں حکم دیا گیا کہ وہ جو ہیں تو اپنے ہی لوگ مگر اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں ان کو قتل کرو۔ ابوحیان کے الفاظ میں: وَالْمَعْنَى: اقْتُلُوا الَّذِينَ عَبَدُوا الْعِجْلَ مِن أَهْلِكُمْ، كَقَولِهِ: لَقَدْ جاء كم رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ، أَيْ مِن أَهْلِكُمْ وَجِلْدَتِكُمْ۔ (البحر المحيط فى التفسير ۱/۳۳۵)

غرض صحیح ترجمہ ہے: ''تو اپنے لوگوں کو قتل کرو''

(۳) وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لاَ تَسْفِكُونَ دِمَاءكُمْ وَلاَ تُخْرِجُونَ أَنفُسَكُم مِّن دِيَارِكُمْ۔ (البقرۃ:۸۴)

''اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے اقرار لیا کہ اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالو گے'' (امین احسن اصلاحی)

''اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالنا'' (احمد رضا خان)

آیت کے یہ دونوں صحیح ترجمے ہیں، جبکہ ذیل میں مذکور ترجمے محل نظر ہیں:

''اور جب لیا ہم نے قرار تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے'' (شاہ عبدالقادر، اس ترجمے میں أنفسکم کا ترجمہ صحیح کیا ہے البتہ لا تسفکون دماء کم کا ترجمہ ''نہ کرو گے خون آپس میں'' محل نظر ہے، کیونکہ ''آپس میں'' کے مطلب کے لیے آیت میں کوئی لفظ نہیں ہے۔)

''پھر ذرا یاد کرو، ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا'' (سید مودودی)

''اور (وہ زمانہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے یہ قول وقرار (بھی) لیا کہ باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا'' (اشرف علی تھانوی، اس ترجمہ میں زیر بحث مسئلے کے علاوہ قوسین میں ''وہ زمانہ بھی یاد کرو'' غیر ضروری ہے)

ان تینوں ترجموں میں ''آپس میں''، ''باہم'' اور ''ایک دوسرے'' کا ترجمہ کیا گیا ہے، جبکہ آیت کے الفاظ سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے۔

اس آیت میں دماء کم اور أنفسکم کا مفہوم متعین کرنے کے لیے ذیل کی آیت سے بھی مدد لی جاسکتی ہے جس میں أنفسکم کی جگہ فریقا منکم آیا ہے، اور جو اس کے فورا بعد اسی سیاق میں آئی ہے۔

(۴) ثُمَّ أَنتُمْ هَـٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ۔ (البقرۃ:۸۵)

''پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو'' (امین احسن اصلاحی)

''پھر یہ جو تم ہو اپنوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکالتے ہو'' (احمد رضا خان)

''مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو، اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو'' (سید مودودی)

مذکورہ بالا ترجمے صحیح ہیں، جبکہ ذیل کے ترجموں میں زیر بحث غلطی موجود ہے۔

''پھر تم ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقے کو ان کے وطن سے'' (شاہ عبدالقادر)

''پھر تم یہ (آنکھوں کے سامنے موجود ہی) ہو (کہ) قتل وقتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے ہو'' (اشرف علی تھانوی) فریقا منکم کا ترجمہ ایک دوسرے کو کرنا بہت عجیب بات ہے، بلکہ جس طرح وَتُخْرِجُونَ فَرِيقاً مِّنكُم کا ترجمہ ایک دوسرے کو کرنا درست نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح وَلاَ تُخْرِجُونَ أَنفُسَكُم کا ترجمہ بھی ایک دوسرے کو کرنا درست نہیں ہے۔

مذکورہ غلطی کے علاوہ آخری ترجمہ میں تقتلون أنفسكم کا ترجمہ قتل وقتال کرنا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ آیت میں قتال کا لفظ ہی نہیں آیا ہے، اور پھر قتل وقتال کا محاورہ بھی استعمال نہیں کیا جاتا ہے، مزید یہ کہ اس ترجمہ میں أَنفُسَكُم کا ترجمہ بھی نہیں ہوسکا ہے۔

(۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ۔ (النساء:۲۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، لین دین ہونا چاہئے آپس کی رضامندی سے۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو'' (سید مودودی)

اس آیت میں ولا تقتلوا أنفسكم کا ترجمہ مترجمین نے مختلف طرح سے کیا ہے، جسے ذیل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

''اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو'' (امین احسن اصلاحی)

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو'' (محمد جوناگڑھی)

''اور اپنی جانیں قتل نہ کرو'' (احمد رضا خان)

''اور نہ خون کرو آپس میں'' (شاہ عبدالقادر)

''اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو'' (اشرف علی تھانوی)

صحیح ترجمہ ہے: ''اور اپنے لوگوں کو قتل نہ کرو''

آیت میں خود کو قتل کرنے کے بجائے دوسروں کو قتل کرنا مراد ہے اس کی تائید اس کے بعد والی آیت سے بھی ہوتی ہے، جس میں اس عمل کو عدوان اور ظلم بتایا گیا ہے، وَمَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ عُدْوَاناً وَظُلْماً فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَاراً وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللّهِ يَسِيراً۔ (النساء:۳۰)

(۶) وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ۔ (النساء:۶۶)

''اگر ہم نے انہیں حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو ہلاک کرو'' (سید مودودی)

''اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو'' (امین احسن اصلاحی)

''اور اگر ہم نے ان پر یہ فرض کیا ہوتا کہ اپنی جانوں کو قتل کرو'' (محمد جونا گڑھی)

''اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کردو'' (احمد رضا خان)

''اور ہم اگر لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم خود کشی کیا کرو'' (اشرف علی تھانوی)

درست ترجمہ ہے: ''اگر ہم انہیں حکم دیتے کہ اپنے لوگوں کو قتل کرو''۔

یہ ترجمہ اس لحاظ سے بھی درست ہے کہ الفاظ کے مطابق ہے، اس کے علاوہ مزید دو باتیں ملحوظ رکھی جاسکتی ہیں، ایک بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالی خود کشی کرنے کا حکم دے، یہ خود ایک نا قابل تصور امر ہے۔ دوسرے یہ کہ خود کشی کرنے کے لئے اقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ کی تعبیر بھی محل نظر ہے۔

(۷) لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْراً۔ (النور:۱۲)

''ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کی بابت نیک گمان کرتے'' (امین احسن اصلاحی)

''اسے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی'' (محمد جونا گڑھی)

اس آیت میں جس معاملے کے حوالے سے بات کہی گئی ہے، اس میں نہ تو اس کا محل ہے کہ بات سننے والے اہل ایمان اپنے سلسلے میں نیک گمان کریں، اور نہ اس کا محل ہے کہ سننے والے اہل ایمان ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان کریں۔ محل کلام واضح طور پر یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں سننے والے اہل ایمان اپنے ان لوگوں کے سلسلے میں نیک گمان کریں جن کے بارے میں وہ باتیں کہی جارہی تھیں۔ غرض الفاظ اور محل کلام دونوں کے لحاظ سے درج ذیل دونوں ترجمے درست ہیں۔

''کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا'' (احمد رضا خان)

''کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں نے اور عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال''(شاہ عبدالقادر)

(۸) وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ۔(الحجرات:۱۱)

''آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو''(سید مودودی)

''وعیب مکنید اہل دین خودرا''(شیخ سعدی)

''وعیب مکنید درمیان خویش''(شاہ ولی اللہ)

''اور آپس میں طعنہ نہ کرو''(احمد رضا خان)

''اور عیب نہ دو ایک دوسرے کو''(شاہ عبدالقادر)

''اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو''(اشرف علی تھانوی)

''اور نہ اپنوں کو عیب لگاؤ''(امین احسن اصلاحی)

صحیح ترجمہ ہے:''اور نہ اپنے لوگوں پر طنز کرو''(امانت اللہ اصلاحی)

غرض اوپر جتنی آیتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں أنفسکم کا ترجمہ اپنے آپ کو یا آپس میں ایک دوسرے کو کیا جائے تو مفہوم اور محل کلام کے حوالے سے مختلف اشکالات پیدا ہوتے ہیں، جن کی توجیہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور مفسرین نے ان کی توجیہ کی کوشش کی بھی ہے۔لیکن اگر ان مقامات پر أنفسکم کا ترجمہ اپنے لوگوں کیا جائے، تو کوئی اشکال نہیں رہتا، اور مفہوم بہت واضح ہو جاتا ہے۔

مدارس کے اغراض ومقاصد اور نصاب تعلیم میں ہم آہنگی

(جامعۃ الفلاح کے تناظر میں چند اہم نکات برائے غور وفکر)

فرحین اسرار فلاحی، جیراجپور

ہندوستان میں سیکولر تعلیمی اداروں کو'اسکول' سنسکرت اور ہندو دھرم کی تعلیم دینے والے اداروں کو'پاٹھ شالا' اور علوم اسلامیہ کی تعلیم دینے والے اداروں کو'مدرسہ' کہتے ہیں۔ اسکول، پاٹھ شالا اور مدرسہ تینوں کا لفظی مطلب ''تعلیم کی جگہ'' ہی ہے۔

اسلام علم ومعرفت کا دین ہے۔ روز اول سے اس نے تعلیم وتعلم پر زور دیا۔ قرآن مجید کی پہلی وحی میں پڑھنے پر زور دیا گیا ہے۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے مسجد نبوی سے ملحق درسگاہ قائم کی جس کو صفہ کہا جاتا ہے اسی درسگاہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی اجمعین نے بھر پور استفادہ کیا۔ بعد کے ادوار میں خلفائے راشدین سے لے کر آج تک تعلیم وتعلم کا کام جاری ہے۔

دینی مدارس اسلام کی حفاظت گاہ ہیں جن سے دین وایمان کی حفاظت ہوتی ہے، دینی مدارس کی افادیت واہمیت پر شاعر مشرق علامہ اقبال کی ایک بات آب زر سے لکھنے کے لائق ہے وہ کہتے ہیں:

''ان مکتبوں کو اس حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مکتبوں میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔

مدارس کی خصوصیات:

مدارس ملت اسلامیہ کے لیے ایسے دواساز اداروں کی طرح ہوتے ہیں جو امت کے تمام امراض سے بھرپور واقفیت رکھتے ہوئے صحت مند ماہرین کے ذریعہ ایسی دوائیں فراہم کرتے ہیں جو امت کے ہر مرض کے لیے ایسی جامع دوائیں ہوتی ہیں جن سے امت کی تمام بیماریاں جڑ سے ختم ہوجاتی ہیں، ان اداروں کے ذریعہ اپنے لوگوں کی بیماریاں دور کرنے کے بعد ان دواؤں کو اس قدر عام کیا جاتا ہے کہ بنی نوع انسانی بھی ان سے فیض یاب ہوسکے۔

یہ ماہرین دواسازی کے لیے اللہ تعالی کے ذریعے عطا کیے گئے علوم میں سے اپنے اپنے فارمولے اخذ کرتے ہیں اگرچہ ان کی دواؤں کے اجزائے ترکیبی الگ الگ ہوسکتے ہیں۔

امت مسلمہ کے وجود و بقا کا انحصار ان مدرسوں کی قوت عمل پر ہے اگر یہ مدارس اپنے زندہ ہونے کا ثبوت فعال ہوکر پیش کرتے ہیں تو امت مسلمہ بھی ایک زندہ قوم نظر آتی ہے ورنہ ایک بیمار قوم کی حیثیت سے تاریخ کا جزو بن کر رہ جاتی ہے۔

مدارس کے اغراض ومقاصد:

تمام مدارس کے قیام کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ احکام خداوندی کا علم خود حاصل کیا جائے اور دوسروں تک اس علم کو پہونچایا جائے۔ خود بھی احکام الٰہی پر عمل کیا جائے اور دوسروں کو بھی ان احکام پر عمل کرنے کی دعوت دی جائے۔ ڈاکٹر شکیل احمد کا خیال ہے کہ ''ان مدارس کا سب سے مہتم بالشان کارنامہ اور جس کے لیے ان کو قائم کیا گیا وہ علم دین کی تعلیم اور تبلیغ ہے، قرآن وسنت کے احیاء اور اسلامی شعائر کو فروغ دینا ان کا کلیدی مقصد ہے''۔(۱)

جناب محمد اشفاق احمد صاحب نے مدارس کے مقاصد کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے ''اسلام کے نزدیک تعلیم کا مقصد افراد کو اللہ کا صالح بندہ بنانا ہے۔ اس کے لیے وہ تعلیم کا جو نظام تجویز کرتا ہے اس کی اساس خدا ترسی، اپنے اعمال کے لیے قادر مطلق ہستی کے سامنے جواب دہی اور اخلاقی قدروں کی پاسداری پر ہوتی ہے اور وہ اس سلسلے میں رسولؐ خدا کے اسوہ مبارک کو اپنے سامنے رکھتا ہے'۔(۲)

استاذ محترم جناب مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ ''اسلام کے ابتدائی دور سے ہی اہل ایمان کا یہی مسلک رہا ہے کہ انہوں نے تعلیم اعلائے کلمۃ اللہ کے تصور کو پسند کیا اور اسے نافذ کیا'۔(۳)

مدارس کے نصاب ہائے تعلیم:

تمام مدارس کے نصاب کا بنیادی انحصار کتاب الٰہی اور اسوۂ رسول ﷺ پر ہے۔ نصاب کے سلسلے کی دوسری کتابیں مختلف مکاتب فکر کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ نصاب تعلیم کے اختلاف کے سلسلے میں مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک نصاب تعلیم کا اختلاف، درحقیقت نقطۂ نظر کے اختلاف کا عکاس ہے جن مدارس نے یا جس تحریک اور مکتبہ فکر نے جو نصاب طے کیا ہے وہ اپنے طے کردہ خاص اہداف کے تحت، اس نے وضع کیا یا اپنایا ہوتا ہے، اس کے بالمقابل دوسرے مکتبہ فکر یا دوسری تحریک کا دوسرا نصاب بھی اس کے متعین کردہ نشانے کا غماز ہوتا ہے''۔(۴)

علماء کا ایک بڑا طبقہ مدارس اسلامیہ میں علوم دینیہ ہی کو قبول کرتا ہے ان کے نزدیک عصری علوم کی دینی مدارس میں گنجائش نہیں ہے۔ جناب مولانا جرجیس کریمی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''دینی اور عصری نصاب تعلیم کے درمیان سب سے بنیادی فرق یہ ہے کہ عصری تعلیم معرفت اشیاء کا نام ہے اور دینی تعلیم معرفت الٰہی کا نام ہے۔ دونوں معرفتوں کے اثرات جدا جدا ہیں، جو زندگی کے طریقے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دینی تعلیمی اداروں میں آغاز ہی سے بچوں کو اللہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے اور اس کی صفات واوصاف سے واقف کروایا جاتا ہے، جبکہ عصری اسکولوں میں بچوں کو چیزوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ فلاں چیز کیا ہے اور کیسی ہے؟ اس کی کیا خصوصیات اور فوائد ہیں؟ اس نصاب میں آخر تک کوئی ایسا مرحلہ نہیں آتا کہ جب پڑھنے والوں کو بتایا جاتا ہو کہ ان چیزوں کا کوئی خالق ہے جس نے اپنے ارادہ اور قدرت سے ان کو وجود بخشا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس بنیادی فرق سے ان اداروں میں پڑھنے والوں کی زندگیاں الگ الگ ہوتی ہیں''۔(۵)

مدارس کے اغراض ومقاصد ونصاب تعلیم میں ہم آہنگی:

امت مسلمہ کی توانائی متعدد غیر ضروری بحثوں میں صرف ہو رہی ہے میرا خیال ہے کہ یہ مسئلہ اہمیت نہیں رکھتا ہے کہ مدارس میں کن کن مضامین کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ مدارس صرف دینی تعلیم دے رہے ہیں یا دینی اور عصری تعلیم کے سنگم ہیں۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ کیا یہ دینی مدارس اپنے اپنے مطلوبہ نشانے حاصل کر رہے ہیں یا نہیں؟

اکثر دینی مدارس اپنے اپنے انداز سے اپنے نصاب تعلیم کو تجربات کے مختلف مراحل سے گزار رہے ہیں کچھ بڑے مدارس تو نصاب تعلیم کے سلسلے میں جمود کا شکار ہیں۔ ان کے نصاب تعلیم میں برسوں سے کوئی

تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ جو کتابیں بزرگوں نے جس انداز میں پڑھیں وہی کتابیں وہ اپنے شاگردوں کو اسی انداز میں پڑھا رہے ہیں۔تعلیم روایتی انداز میں چل رہی ہے۔تعلیم برائے واقفیت! رہی بات مقاصد کے حصول کی تو یہ ایک مفروضہ بن چکا ہے جس طرح کے افراد کی پیداوار مطلوب تھی وہ صرف تعلیم کے ذریعہ ہی پیدا ہو جائیں گے۔لگتا ہے کہ ان بزرگوں نے یہی فرض کر رکھا ہے۔ جناب عبیداللہ فہد فلاحی صاحب نے دینی مدارس کے طلبہ کی تربیت کا حال نہایت ہی احتیاط اور رعایت کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:''دینی اور اسلامی تربیت کا معاملہ زیادہ دگرگوں ہے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کا معیار زیادہ متاثر کن نہیں ہے۔نمازوں کی پابندی سے لے کر مخرب الاخلاق فلموں سے اجتناب اور عام معاشرتی برائی سے پرہیز تک کوئی ایسی شرعی و مذہبی خوبی نہیں ہے جس میں وہ عام طلبہ سے ممتاز ہوں پھر وہ ایک عالم دین کی پہچان اور مدرسے کی شناخت کیسے قائم رکھ سکتے ہیں۔یونیورسٹی اور مدرسہ کے ماحول سے باہر عام معاشرے میں بھی یہ طلبہ اپنی انفرادیت عام طور پر قائم نہیں رکھ پاتے'۔(۶)

مولانا وارث مظہری صاحب کا تبصرہ تو بہت ہی تکلیف دہ ہے وہ یہ کہ''اکثر مدارس پر صرف نصابی سرگرمیاں حاوی ہیں غیر نصابی سرگرمیوں کا دائرہ نمایاں طور پر صرف تقریر کی مشق تک محدود ہے۔ نتیجے کے طور پر مدارس سے غالب تعداد میں یا تو مدرسین پیدا ہو رہے ہیں یا مقررین یا پھر اسی درس وتقریر کی مشق کرنے کرانے والے شارحین وتقریر نگار۔ان کے علاوہ ایک تعداد مسلکی اور گروہی چپقلش پر خامہ فرسائی کرنے والوں کی ہے''۔(۷)

جامعۃ الفلاح ایک منفرد ادارہ:

۱۹۶۲ء سے پہلے مدرسۃ الاصلاح اور جامعۃ الرشاد میں چند ناخوشگوار واقعات پیش آئے، اللہ مسبب الاسباب نے انہیں ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے جامعۃ الفلاح کو وجود بخشا۔اس طرح کا منفرد ادارہ اللہ تعالی کی کرم فرمائیوں سے ہی وجود میں آسکتا ہے۔ جامعۃ الفلاح کا قیام اللہ کی غیر مترقبہ نعمت کے طور پر وجود میں آیا ہے۔اس کی سرپرستی اللہ رب العزت نے مخلص ہاتھوں میں دی اور اس کی پشت پناہی ایک اسلامی تحریک نے کی۔ جامعۃ الفلاح کی تاسیس سے لے کر اب تک اللہ کی رحمتیں اس ادارہ کے ساتھ رہیں۔

جامعۃ الفلاح کے اغراض ومقاصد:

جامعۃ الفلاح کے اغراض ومقاصد تمام مدارس کے مقابلے میں منفرد ہیں۔اس کے اغراض

ومقاصد میں تربیت کا پہلو غالب جو دوسرے دینی مدارس کے لیے صرف مفروضے کی حیثیت رکھتا ہے۔ تربیت کو دستوری طور پر جامعۃ الفلاح نے مقدم رکھا ہے۔ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ جامعۃ الفلاح کے اغراض ومقاصد یہاں بیان کیے جائیں اور نصاب تعلیم سے اس کی ہم آہنگی پر روشنی ڈالی جائے۔

(۱) ایسے افراد کی تیاری....

الف: جو قرآن وسنت کا گہرا علم اور دینی بصیرت رکھتے ہوں۔

ب: جن کی نظر وقت کے اہم مسائل پر ہو اور جو غیر اسلامی افکار ونظریات سے بخوبی واقف ہوں۔

ج: جو اسلامی اخلاق وکردار کے حامل ہوں۔

د: جن میں احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ ہو۔

ہ: جو گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعت قلب ونظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح وتعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔

(۲) ایسا نصاب تعلیم زیر عمل لانا جس میں دینی وعصری علوم کا بہترین امتزاج ہو اور جامعۃ الفلاح کی اساس سے ہم آہنگ ہو۔

(۳) اسلام کی خدمت کے لیے دور جدید کے تقاضوں کے مطابق فکری، عملی اور تحقیقی مواد فراہم کرنا۔

(۴) فنی، تکنیکی اور پیشہ ورانہ (Vocational) تعلیم کا اس طرح نظم کرنا کہ جامعہ کا بنیادی مقصد متأثر نہ ہو۔

جامعۃ الفلاح کا نصاب تعلیم:

جامعۃ الفلاح کے اغراض ومقاصد کے پیش نظر اس کے نصاب تعلیم میں قرآن وسنت کا گہرا علم شامل ہے۔وقت کے مسائل اور نظریات سے آگاہی فراہم کی جاتی ہے اس نصاب تعلیم کے ذریعے طلبہ کو فقہی اختلافات سے دور رکھا جاتا ہے۔معاشرے کی اصلاح کی تدبیریں سکھائی جاتی ہیں۔اسلام کی خدمت کے مختلف طریقے بتائے جاتے ہیں۔نصاب تعلیم میں فنی، تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی رعایت رکھی گئی ہے۔

اسی طرح جامعۃ الفلاح کا نصاب بھی دیگر تمام دینی مدارس کے نصاب کے بالمقابل اہمیت اور انفرادیت کا حامل ہے۔

جامعۃ الفلاح کے اغراض ومقاصد اور نصاب تعلیم میں ہم آہنگی:

یہ ادارہ اپنے اغراض ومقاصد کے تحت فروعی اختلافات دور کرنے میں بڑی حد تک کامیاب

ہے۔ ماشاءاللہ یہاں کے طلبہ وطالبات اس سلسلہ میں مثالی ہیں۔ جامعۃ الفلاح شق نمبر ا کے نمبر ۵ کے مقصد کو حاصل کرنے میں گرچہ بہت حد تک کامیاب ہے، البتہ تربیتی مقاصد کے حصول میں اس درجہ کی کامیابی ابھی حاصل نہیں ہوسکی۔ شق نمبر ۲ تو صرف کاغذی نظر آتی ہے۔ عملی اعتبار سے اس پہلو سے جامعہ کے اغراض اور نصاب تعلیم میں ہم آہنگی نظر نہیں آتی۔ فنی یا تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا سلسلہ کئی بار بہت شد و مد کے ساتھ شروع ہوا مگر بعد میں سرد مہری کا شکار ہو گیا۔

ماحصل:

ذیل میں مضمون کا ماحصل نکات کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے:

(۱) ہندوستان میں دینی مدارس کی ایک طویل اور سنہری تاریخ ہے ہر دور میں ان مدارس نے ملت اسلامیہ کی مناسب رہنمائی کی ہے۔

(۲) عام طور پر مدارس اسلامیہ کے اغراض ومقاصد نہایت ہی اعلی وارفع ہیں۔

(۳) اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے عموماً جو نصاب ہائے تعلیم وضع کیے گئے ہیں وہ پورے طور پر ان مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

(۴) ہم آہنگی اور ہم رشتگی کے لیے یہ ضروری تھا کہ نصاب تعلیم جامد اور غیر متحرک نہ ہو، غور وفکر اور جزوی ترمیم کا سلسلہ جاری رہے لیکن بالعموم وہ جامد ہو گئے جس کے نتیجے میں ہم آہنگی متاثر ہو گئی۔

(۵) جامعۃ الفلاح کے اغراض ومقاصد بہت ہی عظیم اور واضح ہیں۔

(۶) ان اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے جو نصاب تعلیم وضع کیا گیا ہے وہ بہت حد تک ہم آہنگ اور ہم رشتہ ہے۔

(۷) نصاب کی اسی ہم آہنگی اور ہم رشتگی کا نتیجہ ہے کہ جامعہ نے ایک قلیل عرصے میں حیرت انگیز ترقی کی ہے اور اپنے اغراض ومقاصد کے حصول میں بہت حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔

(۸) بعض پہلوؤں سے جامعہ کے اغراض اور نصاب تعلیم میں ہم آہنگی کی کمی محسوس ہوتی ہے اس کے ازالہ کی ضرورت ہے تاکہ پورے طور پر جامعہ اپنے اہداف حاصل کر سکے۔

(۹) عملی اعتبار سے نصاب تعلیم کی تطبیق اور تنفیذ میں کچھ کمی کا احساس ہوتا ہے اسے دور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اغراض ومقاصد اور نصاب تعلیم میں نظر ثانی کے ساتھ عملی اعتبار سے بھی ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔

(۱۰) جامعۃ الفلاح یقیناً اللہ تعالی کی ایک عظیم نعمت غیر مترقبہ ہے لہٰذا اس کی بقا اور حفاظت اور ارتقاء کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔

تجاویز و مشورے: (جامعۃ الفلاح کے تناظر میں)

۱۔ نصاب تعلیم میں سارے مضامین لازمی نہ قرار دیے جائیں۔

۲۔ طالبات کے نصاب پر غور کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے ممکن ہو تو طالبات کے لیے الگ نصاب بنایا جائے انہیں بھی اختیاری مضامین کی رعایت دی جائے۔

۳۔ مزید عصری علوم شامل کیے جائیں مگر انہیں اختیاری ہی رکھا جائے۔

۴۔ تربیت کے نظام کو مستحکم بنانے کی ضرورت ہے۔

۵۔ علوم دینیہ حاصل کرنے والوں کے لیے اقامتی ہونا لازم قرار دیا جائے۔

۶۔ سزاؤں کے سلسلے میں بہت احتیاط کی جائے مگر کسی قصوروار کو کوئی رعایت نہ دی جائے۔

۷۔ تعلیمی فیس کو مدرسے کی آمدنی کا ذریعہ نہ تصور کیا جائے اگر ممکن ہو تو فیس ختم کر دی جائے۔

۸۔ طلبہ و طالبات کی علمی اور تربیتی حوصلہ افزائی کے لیے پرکشش مقابلوں کی تعداد بڑھائی جائے۔

۹۔ فارغین و فارغات کے لیے کچھ ایسا عملی انتظام کیا جائے کہ ان کے آئندہ پیش آنے والے مسائل حل ہو سکیں۔

۱۰۔ عربی اور انگلش کے ماہر ٹیچرز کی خدمات حاصل کی جائیں، وہ ٹیچرز ایسے ہوں کہ اسٹوڈنٹس کے سوالوں کا اطمینان بخش جواب دے سکیں تا کہ ترقی کی راہیں اور زیادہ ہموار ہو جائیں۔

۱۱۔ کلاسوں کو اور زیادہ سیکشنوں پر پھیلا دیا جائے اور ہر سیکشن میں ۲۰، ۲۵ سے زیادہ اسٹوڈنٹ نہ ہوں۔

۱۲۔ عربی اول اور عربی دوم کے علاوہ اوپر کے درجات میں آزاد انشاء نصاب میں شامل کی جائے، رٹی رٹائی انشاء پڑھانے سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہو پاتا ہے۔

۱۳۔ صرف و نحو پڑھانے کے لیے ماہر اساتذہ اور معلمات کی خدمات حاصل کی جائیں۔

۱۴۔ تخصص بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۱۵۔ امثال اور مبادی کے کورس کم کیے جائیں تا کہ تمام اسباق پر بھرپور توجہ دی جا سکے۔

۱۶۔ ٹیچرز اور اسٹوڈنٹس کے لیے وقت کی پابندی لازمی قرار دی جائے۔

۱۷۔ عربی اول ہی سے طلبہ و طالبات کے لیے مضمون نویسی کو لازمی قرار دیا جائے اور ہفتے میں کم

ازکم ایک گھنٹی ایسی ہو جس میں زبان وادب کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں۔

۱۸۔تقابل ادیان پر طلبہ وطالبات کی زبردست تیاری کرائی جائے تاکہ مبلغین کے لیے غیر مسلمین میں بھی دعوت وتبلیغ کے کام میں آسانی ہو۔

۱۹۔طلبہ کو صحافت کے میدان میں آگے بڑھانے کے لیے بھرپور صحافتی مشق کرائی جائے تاکہ وہ دینی وعصری علوم سے لیس ہوکر باطل افکار ونظریات کا منھ توڑ جواب دے سکیں۔

۲۰۔طلبہ وطالبات کو کلاسوں میں تبادلہ خیال کی مکمل آزادی دی جائے،خصوصاً اعلی درجات میں تدریسی طریقہ افہام وتفہیم کا ہو،نہ کہ اسباق رٹانے کا۔اسی طرح ان شاءاللہ طلبہ وطالبات بہت حد تک پراعتماد ہوں گے اور پراعتماد ہونا کسی بھی میدان کار میں آگے بڑھنے کے لیے لازمی ہے۔

۲۱۔طلبہ وطالبات کے ذہن کو تخلیقی بنایا جائے نیز انہیں قرآن اس طرح سے پڑھایا جائے جس سے ان کے اندر تفکر وتدبر کی صلاحیت پیدا ہو نہ کہ مناظرہ بازی اور جدال پیدا ہو۔

تجاویز ومشورے غور کرنے کے لیے ہوتے ہیں ان پر عمل کرنا لازمی نہیں ہوتا مگر اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ تجاویز اور مشورے دینے والوں کو کم ازکم یہ بتادیا جائے کہ ان کے مشوروں اور تجاویز پر غور کیا گیا مگر فلاں فلاں وجوہات سے ان کی تجاویز قابل عمل نہیں ہیں۔

مراجع:

۱۔ماہنامہ راہ اعتدال،تعلیم نمبر،عمرآباد مئی ۲۰۱۰ء ص ۱۵۶

۲۔ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس،ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح،ص ۱۳۵

۳۔ایضاً ص ۵۹

۴۔ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو؟ سید سلمان حسینی ندوی،صفحہ ۳۱

۵۔ماہنامہ راہ اعتدال،تعلیم نمبر،عمرآباد مئی ۲۰۱۰ء ص ۱۵۱

۶۔مدارس اسلامیہ کی دینی ودعوتی خدمات،ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی،ادارہ علمیہ،ص ۱۱۶

۷۔ماہنامہ راہ اعتدال،تعلیم نمبر،عمرآباد مئی ۲۰۱۰ء ص ۱۳۵

نایاب خطوط

ذیل میں تین خطوط پیش ہیں۔ پہلا خط ماہر قرآنیات مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی صاحب کا ہے جو مولانا محمد فاروق خان صاحب کے ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ دوسرا خط ڈاکٹر شفیق احمد اصلاحی، رکن مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند حلقہ دہلی کا ہے، اس خط میں تحریک اسلامی سے متعلق ایک انتہائی اہم اور بنیادی مسئلہ پر استفسار ہے۔ تیسرا خط مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی صاحب کا ہے جو موصوف نے ڈاکٹر شفیق احمد اصلاحی صاحب کے مذکورہ خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ ادارہ حیات نو ان تمام بزرگوں کا تہہ دل سے شکرگزار ہے کہ انہوں نے اپنے ان اہم، مفید اور یادگار خطوط کی اشاعت کے لیے حیات نو کا انتخاب فرمایا۔ **(مدیر)**

(۱)

باسمہ وبحمدہ

محترمی ومکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔ عرصہ ہوا آپ کا نوازش نامہ ملا تھا لیکن باقاعدہ جواب نہ دے سکا۔ سلام تو پہنچا ہی ہوگا۔ اس غیر معمولی تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

آپ نے دو حدیثوں کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ ایک تو ولکن الزهادة --- وأن تكون فی ثواب المصيبة اذا أصبت بها أرغب منك فيما لو انها بقيت لك ہے۔ اس کا ترجمہ میرے خیال سے یہ ہوگا کہ لیکن پرہیزگاری یہ ہے کہ --- اور یہ کہ جب مصیبت تم پر آچکی ہو تو اس کا ثواب تمہیں زیادہ محبوب ہو، بمقابلہ اس کے کہ اس مصیبت میں تم سے جو چیز چھن گئی ہے وہ تمہارے پاس رہ جاتی۔

دوسری حدیث ہے أقم الصلوة يا بلال أرحنا بها۔ میرے نزدیک اس کا پہلا مفہوم ہی صحیح معلوم ہوتا ہے یعنی نماز سے سکون وراحت حاصل ہو۔ رہا دوسرا مفہوم کہ نماز سے فراغت حاصل کر کے یکسوئی حاصل کریں تو مجھے نہیں معلوم کہ جن لوگوں نے یہ مفہوم مراد لیا ہے ان کے نزدیک کوئی قوی قرینہ

تھا اس کے ظاہر مفہوم کو ترک کر کے دوسرا مفہوم اختیار کرنے کا یا وہ عربی الفاظ اور حروف کی نزاکتوں سے نا آشنا تھے۔ آپ کا حضرت بلال سے یہ فرمانا بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ دوسرے مفہوم کے لحاظ سے اس 'ارِحنا' میں حضرت بلال کا کوئی دخل نہیں۔

اب آپ کا کام کس مرحلہ میں ہے؟ یہ سال تو کب کا پورا ہو چکا ہے۔ میعاد میں کتنی مدت کی توسیع ہوئی۔

شمس نوید صاحب اور مولانا یوسف صاحب و دیگر پرسان حال حضرات کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ مولانا یوسف صاحب سے فرمادیں کہ حماسہ مکہ اور مدینہ کہیں نہیں مل رہی ہے۔ دونوں جگہوں پر تلاش کرنے پر بمشکل ایک کتاب دستیاب ہوسکی تھی وہ بھی خاصی گراں۔ وہ میں سیفی کے لیے لے کر بھیج چکا ہوں۔ اب تجار کتب کتابوں کی فراہمی کے دورے پر گئے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے اگلے سیزن میں مل سکے۔

مولانا انصر صاحب نے متفرق اجزاء کچھ کتابوں کے طلب کیے تھے، یہاں ان کتابوں کے متفرق اجزاء کا حاصل ہونا بظاہر ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً لسان العرب جیسی قیمتی کتاب کا سیٹ محض ایک جز کے لیے کون خراب کرے گا۔ یہ تو جہاں سے چھپی ہیں وہاں ممکن ہے کہ کسی نامکمل سیٹ میں سے مل جائے، لہٰذا معذرت کر دیں۔

معلوم نہیں آپ اکیلے ہیں یا دو کیلے۔ دریافت کرنے کی اجازت بھی نہیں۔ بہر حال اگر کوئی ہوں تو ان کی خدمت میں بھی سلام عرض ہے۔

والسلام علیکم

امانت اللہ

۱۹؍جون ۱۹۶۷ء

(۲)

باسمہ سبحانہ

برادر مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ادھر کچھ عرصہ سے میں جماعت اسلامی کی مخالفت میں لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اب تک اس سلسلہ کی تقریباً تمام ہی کتابیں مطالعہ میں آچکی ہیں، مثلاً مولانا زکریا صاحب کی ''فتنۂ مودودیت''، مولانا منظور نعمانی صاحب کی ''سرگزشت''، مولانا علی میاں کی ''دین کی تفہیم وتشریح''، وغیرہ، لیکن ان کتابوں میں مجھے کوئی خاص بات قابل ذکر نظر نہیں آئی، البتہ جناب وحید الدین خاں صاحب کی

’’تعبیر کی غلطی‘‘ میں خاص طور سے دو چیزیں قابل توجہ نظر آئیں:

(۱) جماعت اسلامی کے نزدیک نظامِ حق کے غلبے کے لیے کوشش اور جدو جہد امتِ مسلمہ کا نصب العین قرار پاتا ہے حالانکہ قرآن مجید میں کوئی نص قطعی ایسی نہیں جس سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔

(۲) اس مقصد کی روشنی میں بیشتر انبیاء کی ناکامی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان میں سے بیشتر دین کی بنیادی دعوت توحید و آخرت کی طرف بلاتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے اور نظامِ حق قائم نہیں کر سکے۔

اصل میں ان کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت خاص طور سے اس لیے پیش آئی کہ جماعت اسلامی سے اتفاق و ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا۔ اب کچھ عرصہ سے بار بار یہ خیال آ رہا ہے کہ کیوں نہ آگے بڑھ کر رکنیت کا فارم پُر کر دیا جائے لیکن پھر سوچا کہ کیوں نہ اس اقدام سے پہلے آپ سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔

اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ یہ خط تحریر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ کی رہنمائی حاصل کروں۔ امید ہے تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

والسلام

شیش محل۔ آزاد مارکیٹ۔ دہلی　　　　شفیق احمد اصلاحی

(۳)

باسمہٖ وبحمدہٖ

برادر مکرم　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔ جواب فوراً دینا چاہتا تھا لیکن نہ دے سکا۔ پھر لفافہ لے کر گھر سے نکلا کہ راستہ میں کہیں لکھوں گا لیکن سفر نہ کر سکا اور واپس آ کر آپ کو یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

قیادت کی تبدیلی کی اطلاع مل چکی تھی۔ یہ بات مزید خوش آئند ہے کہ جو وفد مولانا (مولانا ابواللیث اصلاحی) کو آمادہ کرنے گیا اس میں خود موجودہ امیر (مولانا محمد یوسف صاحب) بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ اس فیصلہ کو باعثِ خیر و برکت بنائے۔

میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ نے رکنیت کا فارم بھر رکھا ہے اور اب رکن بن بھی چکے ہوں گے۔ اچھا ہے، خوب سوچ سمجھ کر یہ اقدام کیا جائے، لیکن یہ خوب رہا کہ بڑے بڑے روحانی بزرگوں کے یہاں تو

آپ کو کچھ نہ ملا، کھٹک پیدا ہوئی تو ''تعبیر کی غلطی'' سے! کیا مثل ہے' آسمان سے گرا جھاڑ میں اٹکا!، اگر شاعروں اور مجذوبوں ہی سے دین کو سمجھنا ہے تو اقبالؔ کو پڑھئے، شاید کچھ خون میں گرمی آئے اور حوصلہ میں بلندی اور فکر ونظر میں وسعت! یا کسی محاذ پر جا کر چند روز طبی امداد رضا کارانہ طور پر کر آئیے، شاید دل کی کدورت کچھ دور ہو! اچھا ہے معلومات کے لیے اس طرح کی چیزیں گاہے گاہے دیکھ لیا کریں لیکن اگر شرح صدر چاہتے ہیں، اطمینان قلب چاہتے ہیں اور بصیرت-تو اللہ سے لو لگائیے اور اس کی کتاب سے تعلق استوار کیجیے، اپنی سرگرمیاں منضبط کیجیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو جو نصیحت کی تھی، شاید یاد ہو:

ان لله عملاً بالليل لا يقبله بالنهار وعملا بالنهار لا يقبله بالليل ۔اس کی اہمیت کو پہچانئے اوراس پر عمل کرنے کی کوشش کیجیے۔ آپ کی الجھنوں کا مدلل اور مفصل جواب تحریر میں دینا میرے لیے ناممکن ہے، بہر حال اس لفافہ کی بساط کے مطابق کچھ عرض کرتا ہوں۔

آپ کی اصل الجھنوں سے پہلے کچھ ناقدین کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ان لوگوں کو زیادہ نہیں پڑھا ہے لیکن شاید تین باتوں میں آپ مجھ سے اتفاق کریں:

۱-ان لوگوں میں اس بات پر اتفاق ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت گمراہ ہے لیکن اس بات پر قطعاً اتفاق نہیں ہے کہ اصل گمراہی کیا ہے۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہیں بلکہ بیشتر ایک ہی مکتبِ فکر کے لوگ ہیں لیکن ہر ایک کی اپنی الگ لے ہے، وما بعضهم بتابع قبلة بعض۔

۲-قطع نظر اس سے کہ وہ لوگ جن باتوں پر اعتراض کرتے ہیں ان میں سے بیشتر خود ان کے یہاں بلکہ ان کی اپنی تحریروں میں موجود ہیں، جو بھی اختلافات اب تک انھوں نے بیان کیے ہیں وہ اگر سو فیصدی صحیح ہوں جب بھی اس کی اجازت نہیں دیتے کہ اس کو دشمن سمجھا جائے اور اس کے سلسلے میں وہ معاندانہ روش اختیار کی جائے جو ان لوگوں نے اختیار کی۔

۳- وقت کی تمام نزاکتوں اور تقاضوں کو نظر انداز کر کے مولانا مودودی اور ان کے اتباع (متبعین) کی شخصی اور اجتماعی زندگی بڑی حد تک آپ کے سامنے ہے اور دوسروں کی بھی، آپ متبوع کا متبوع سے اور اتباع کا اتباع (یعنی متبعین) سے موازنہ کر کے دیکھ لیں، شخصی کردار کا بھی اور اجتماعی خدمات کا بھی، جس کا پلڑا بھاری نظر آئے اس کو اقرب الی الحق سمجھیں الا آنکہ کوئی ایسی قطعی اور صریح دلیل سامنے آجائے کہ یہ معیار ساقط ہو جائے۔

رہیں آپ کی مذکورہ دونوں الجھنیں تو حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر حیرت ناک بات کیا ہوگی

کہ ایک طرف اسلام دشمن مفکرین کا اس پر اجماع ہے کہ جب تک یہ کتاب (قرآن مجید) مسلمانوں کے پاس موجود ہے اس وقت تک ان کو زیر نہیں کیا جا سکتا اور کبھی زیر نگیں ہو ہی گئے شامتِ اعمال کی وجہ سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دیو کب جگ جائے اور تمام بیڑیاں چشم زدن میں توڑ کر پھینک دے۔ آج ہلکی سی بیداری نظر آ رہی ہے تو ساری دنیا لرزاں و ترساں ہے، دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کا دن رات کا مشغلہ ہی ہے قال اللہ و قال الرسول، اسی کی روٹی کھاتے ہیں اور اسی کے بل پر امت پر راج کرتے ہیں، ان کو کہیں ایک بھی واضح اور محکم آیت نہیں ملتی جس سے غلبہ و اقتدار کے لیے کوشش کا وجوب تو در کنار جواز ثابت ہو سکے الی اللہ المشتکیٰ۔

میری آنکھیں نم ہیں اور قلم زبردستی چلا رہا ہوں ضربت علیھم الذلة والمسکنة کی اس سے زیادہ واضح مثال کیا ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ غلامانہ ذہنیت رکھنے والے مسلمان سے ایک آزاد غیر مسلم کی نگاہ زیادہ دور رس اور حقیقت شناس ہوتی ہے۔ جس ؐ کی آمد سے دو ہزار سال پہلے بلکہ اس سے بھی بہت پہلے اس کے غلبہ و اقتدار کی خبر گرم تھی اور بار بار دہرائی جاتی رہی اور تحریفات کے بعد آج بھی موجود ہے، جس کی آمد کے قریب شدت سے انتظار ہی اس بات کا تھا کہ اس کی آمد پر سخت کشت و خون ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے انتقام لے گا، مشرق سے مغرب تک اس کا اقتدار چھا جائے گا، قوموں کی قومیں اس کے آگے سرنگوں ہوں گی، جس ؐ کی خبر ملنے سے پہلے ہی ہرقل نے کہا تھا ظھر ملك ھذہ الامة (اس دور کا بادشاہ آ گیا) جس ؐ کا سفیر پہنچا تو اس نے کہا کہ اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو اِس سرزمین پر اُس کا اقتدار ہوگا جو اِس وقت میرے قدموں کے نیچے ہے، جس ؐ نے دس سال کی مختصر مدت میں نو عظیم الشان جنگی مہموں کی قیادت کی، اسی (۸۰) سے زیادہ جنگی مہموں پر اپنے ساتھیوں کو روانہ کیا، وفات سے چند روز پہلے بیرونِ ملک کے لیے لشکر تیار کیا، اور اپنے دست مبارک سے جھنڈا باندھا اور جاتے جاتے اس کو روانہ کرنے کی وصیت کر گیا، جاتے جاتے نماز اور غلاموں کے بارے میں وصیت کی یعنی سچے غلام اور اچھے آقا بن کر رہنا۔ پھر اس کے بعد اس کے ساتھیوں نے اس مہم کو پورے زور و شور سے جاری رکھا، آج اس کے امتیوں کے لیے ان سرگرمیوں کے لیے وجہ جواز ملنا مشکل ہو رہا ہے۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو انڈکس تیار کیجئے اور نہ ہو تو بنے بنائے انڈکسوں پر نظر ڈالئے۔ قرآن کے بھی اور حدیث کے بھی، کیا جہاد و قتال سے بھی وسیع اور مفصل کوئی باب نظر آتا ہے؟ کیا اس سے افضل کوئی عمل ملتا ہے؟ پھر کیا خوں ریزی اور خوں آشامی بذاتِ خود مقصود تھی یا اس کا کوئی مقصد تھا؟ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، کمزوروں کی

حمایت، عدل وانصاف کے قیام کی تعلیمات، کیا غلاموں کے لیے تھیں؟ استخلاف فی الارض، تمکین فی الارض کے دعوے محض چلوں اور وِردوں کے ذریعہ پورے ہوئے یا ہونے والے تھے؟ فقد آتینا ال ابراهیم الکتاب والحکم والنبوة و آتیناهم ملکا عظیما کا وعدہ کیا بغیر اس کا حق ادا کیے پورا ہوا، اور کیا بغیر حق ادا کیے باقی رہ سکتا ہے؟ کیا یہود کے لیے غلامی اللہ تعالیٰ کے غضب اور پھٹکار کی علامت تھی اور اس امت کے لیے فضل خاص کی علامت جس سے نکلنے کی کوشش کرنا بھی گناہ ہو!

افسوس! آج وہ قوم بھی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک غلامی لکھ دی ہے: (و اذ تأذن ربك لیبعثن علیهم الی یوم القیامة من یسومهم سوء العذاب) وہ اقتدار کے لیے کوشاں ہے اور مسلمانوں کی گردن پر مسلط ہے اور مسلمانوں کو کوئی نص صریح ہی نہیں مل رہی ہے کہ حرکت میں آئیں۔ آج جن کے پاس کوئی آسمانی ہدایت نہیں وہ اس کی اہمیت کے بارے میں دو رائیں نہیں رکھتے لیکن مسلمان ایسی روشن کتاب رکھتے ہوئے، ایسا شاندار ماضی رکھتے ہوئے اس کی ضرورت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اگر کتاب نہیں پڑھتے تو کم از کم چشم دید واقعات اور تاریخی حقائق سے سبق حاصل کرتے، لیکن جب کوئی قوم اللہ کی کتاب پہ ظلم کرتی ہے تو اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور بینائی سلب ہو جاتی ہے۔ اس امت کی تاریخ اٹھا کر دیکھیے۔ جتنے بھی قابل ذکر اتار چڑھاؤ آتے ہیں سب کا رشتہ انقلابات سے بندھا ہوا ہے۔ دورِ حاضر میں درجنوں ملک روس اور چین ہڑپ کر گئے۔ وہاں اسلام کا کیا حال ہے جہاں دور سے بھی یہ طاقتیں اثر انداز ہو رہی ہیں۔ والله بصیر بما یعملونo

اب اگر جماعت اسلامی والے اس کا نعرہ بے تکے اور بھونڈے انداز سے بلند کر رہے ہوں یا بے موقع بلند کر رہے ہوں یا محض کھوکھلا نعرہ ہو تو ان کو سمجھانا چاہئے، اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، نہ کہ اس روشن حقیقت کا انکار کرنا چاہئے۔

اپنے یہاں ان حقائق کی موجودگی میں دوسرے انبیاء کے یہاں ہدایت تلاش کرنا ہی غلط ہے، اور جن کو اپنے یہاں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا ہے ان کو وہاں بھی اندھیرا ہی نظر آئے گا، ورنہ قرآن اور تاریخ کی شہادت اس کے بالکل برعکس ہے۔ تفصیل کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔

والسلام علیکم

محمد امانت اللہ اصلاحی ۱ر دسمبر ۱۹۸۱ء

مسلم کالج ایجیبو اوڈے اوگون اسٹیٹ (نائیجریا)

نعت

محمد مرکز حق سرور دیں فضل ربانی
محمد مہبط وحی الٰہی عکس قرآنی
محمد ساقی کوثر محمد شافع محشر
محمد رشک جن، رشک ملائک، فخر انسانی
محمد سید انسانیت پیغمبر خاتم
محمد اسوۂ کامل محمد نور یزدانی
محمد محسن انسانیت اور قائد ہستی
محمد رحمت عالم محمد ظل رحمانی
محمد منبع رشد وہدایت داعیٔ اعظم
ملا ان کو خدائے لم یزل سے فخر مہمانی
وہ امی جس نے بخشا ہے جہاں کو نسخۂ شافی
وہ ہادی جس کا ہر نقش قدم ہے شمع عرفانی
وہ جامع جس نے آکر کر دیے دنیا ودیں یکجا
وہ حاکم جس سے لوگوں کو ملی طرز جہانبانی
وہ قائد جس کا ہر اسوہ کمال بندگی ٹھہرا
وہ کامل جس کے آگے عقل کل طفل دبستانی
بشارت حضرت عیسیٰ نے دی اس ذات والا کی
سکھائی جس نے انساں کو خود آگاہی خدادانی
مٹادی آپؐ نے تفریق رنگ ونسل دنیا سے
ہوئے شیر وشکر عربی وحبشی اور ایرانی
نہیں کوئی ہے عارفؔ ان خصائص میں حریف ان کا
کہاں تاریخ انسانی میں ہے ان کا کوئی ثانی

حافظ احسان الحق فلاحی عارفؔ آثمی

غزل

میں اپنے گرد لکیریں بچھائے بیٹھا ہوں
سرائے درد میں ڈیرہ جمائے بیٹھا ہوں
نبیلؔ ریت میں سکّے تلاش کرتے ہوئے
میں اپنی پوری جوانی گنوائے بیٹھا ہوں
یہ شہر کیا ہے نکلتا نہیں کوئی گھر سے
کئی دنوں سے تماشہ لگائے بیٹھا ہوں
جو لوگ درد کے گاہک ہیں سامنے آئیں
ہرایک گھاؤ سے پردہ اٹھائے بیٹھا ہوں
بہت طلب تھی مجھے روشنی میں آنے کی
سو یوں ہوا ہے کہ آنکھیں جلائے بیٹھا ہوں
یہ دیکھو چاند، وہ سورج، وہ اُس طرف تارے
اک آسمان زمیں پر سجائے بیٹھا ہوں
نہ جانے کون سا عالم ہے یہ عزیز نبیلؔ
میں ریگزار میں کشتی بنائے بیٹھا ہوں

عزیز نبیلؔ،قطر

مصرع طرح ماہر القادری

"آدمی صرف مناظر کا تماشائی ہے"

وہ کہاں ہے جو ترے حسن کا سودائی ہے
صبح امید ہے اور لالۂ صحرائی ہے
دل کی آشفتگی بڑھتی ہے تو جلتے ہیں چراغ
عالم کیف یہی، عالم تنہائی ہے
اس کو الزام نہ دو حرف حقیقت جانو
"آدمی صرف مناظر کا تماشائی ہے"
اب تو یہ ضد ہے کہ دیکھوں اسے اول اول
جس کے دیدار کی ہر چشم تمنائی ہے
اتنا مسرور کہ دیوانہ ہوا جاتا ہوں
راز دل ان کو بتاتا ہوں تو رسوائی ہے
کیوں اسے راندۂ درگاہ کیا ہے تو نے
جو تری بزم طرب ناز کا شیدائی ہے
شہرخوباں میں مرا ذکر ترے نام کے ساتھ
رشک فردوس ترا جلوۂ یکتائی ہے
منزل دارورسن سے بھی گزرنا ہوگا
فرق انصاف کے چلنے کا جو سودائی ہے
یہ معمہ ہے تو حل ہوگا بتادیتا ہوں
زندگی حسن تغیر کی پذیرائی ہے
تھک گئے پاؤں مگر پھر بھی نہ منزل آئی
پردۂ راز میں انداز شکیبائی ہے
جو تری راہ کانٹوں کو بچھاتا ہے امین
کیا کہوں اس کی زمانے سے شناسائی ہے

محمد امین احسن، بلریا گنج

غزل

ہر طرف شور ہے ہوا ہے کیا
بابِ مقتل کہیں کھلا ہے کیا

جو لڑا جان دی خدا کے لیے
جاوداں جو ہوا مرا ہے کیا

کارواں لٹ گیا ارے رہبر
رہزنوں سے کہیں ملا ہے کیا

آندھیاں کفر کی بجھاتی رہیں
نورِ ایماں کبھی بجھا ہے کیا

خون بہتا ہے بس غریبوں کا
ان امیروں کا خوں، بہا ہے کیا

جب ضرورت پڑی کہاں تھے تم
دوستی کی یہی ادا ہے کیا

فکر اکملؔ کرو عمل بھی کرو
صرف کہنے سے کچھ ہوا ہے کیا

محمد اکمل فلاحی،
الجامعہ الاسلامیہ شانتاپرم کیرلا

تعارف وتبصرہ

احادیث رمضان وروزہ

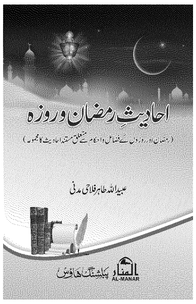

مرتب: عبیداللہ طاہر فلاحی مدنی

صفحات: ۱۶۰/، **قیمت:** ۴۰/روپے

اشاعت: جون ۲۰۱۶ء

ناشر: المنار پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی

مبصر: ڈاکٹر ابرار اعظمی

بہت کم طالب علم ایسے ہوتے ہیں جو اپنے زمانۂ طالب علمی میں ہی ایک بے حد وقیع تعلیمی سیمینار کی روداد بڑے سلیقے سے اور گونہ منفرد انداز میں مرتب کر کے شائع کرا سکیں۔ (عصرِ حاضر میں علامہ شبلی نعمانیؒ کے تعلیمی افکار کی معنویت، منعقدہ ۲۴، ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۴ء، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج)۔ یا کسی اہم دینی موضوع پر اچھی خاصی نیم تحقیقی کتاب مرتب کر سکیں۔ (احادیثِ رمضان وروزہ، المنار پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی، ۲۰۱۶ء)۔ عزیزم عبیداللہ طاہر فلاحی انہی کمیاب طالب علموں میں سے ہیں، اور مذکورہ بالا کتاب ہی اس تحریر کا محرک ہے۔ عبیداللہ طاہر اِس وقت مدینہ یونیورسٹی میں ایم۔اے۔ کے طالب علم ہیں۔

’عرضِ مرتب‘ کے تحت عبیداللہ طاہر نے لکھا ہے: ’’روزے سے متعلق تمام ایسے مسائل کا احاطہ کرلیا گیا ہے جو پیش آتے ہیں۔‘‘ آخر میں عیدالفطر کے احکام ومسائل کا ذکر بھی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔ کتاب میں دس موضوعات کے تحت تقریباً ۱۳۴ مسائل کا تذکرہ ہے، اور یہ وہ مسائل ہیں جن سے عام مسلمان کبھی نہ کبھی دوچار ہوتا ہی ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ کسی خاص مسلک کی طرف جھکاؤ سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور بیشتر انہیں احادیث کو منتخب کیا گیا ہے جن کو ’’مستند‘‘ کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں پوری کتاب کے بین السطور میں جو بات متوجہ اور متأثر کرتی ہے وہ ہے ایک خاص طرح کا خلوص اور تبلیغِ دین کا جذبہ۔

کتاب کی زبان سادہ وسلیس ہے، لیکن کتنا اچھا ہوتا اگر اس 'سادگی' میں 'پرکاری' بھی شامل ہو گئی ہوتی۔ مگر ابھی تو ابتدائے مشق ہے (جی چاہتا ہے کہ 'ابتدائے عشق' لکھوں) پختگی تو عمیق مطالعے، فکر کی گیرائی اور سعیِ مسلسل سے آتی ہے۔

کتاب کے اصل مخاطب تو عام مسلمان ہیں کہ انہی کو ان احکام ومسائل سے واقفیت کم ہوتی ہے۔ رہے خواص یعنی علمائے کرام تو انہیں ضرورت سے زیادہ ہی معلومات ہوتی ہیں۔ ایک سوال ذہن میں آتا ہے، عملاً کتنے روزے دار اس کتاب سے استفادہ کرسکیں گے؟ مگر عزیزم عبیداللہ طاہر کی تسلی کے لیے میر کا یہ شعر لکھ رہا ہوں ۔

شعر مرے ہیں گو خواص پسند　　　پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

بات زبان کی آگئی (اور ترسیل وابلاغ کے لیے صحتِ زبان کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے) تو عرض یہ ہے کہ فاضل مقدمہ نگار کا یہ جملہ سمجھ میں نہیں آیا: ''عوام کے پیشِ نظر زبان بہت سادہ اور آسان استعمال کی گئی ہے۔'' یہاں خط کشیدہ الفاظ محلِ نظر ہیں۔

'عرضِ مرتب' کے تحت لائق مرتب نے لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتابچے کو نفع بخش بنائے۔'' راقم الحروف آمین بلکہ ثم آمین کہتا ہے۔ مگر درمیانی سائز کے ۱۶۰ رصفحات پر مشتمل اس کتاب کو کتابچہ کہنا کہاں تک درست ہے! ممکن ہے مولانا ضیاء الرحمٰن اعظمی کی گراں قدر تالیف ''الجامع الكامل في الحديث الصحيح الشامل '' (جس سے بھرپور استفادے کا اعتراف بھی مرتب نے کیا ہے) کے پیشِ نظر یہ اسمِ تصغیر استعمال کیا ہو، کیونکہ مولانا کی یہ کتاب بارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اور 'نفع بخش' کی ترکیب بھی گراں گزرتی ہے۔ امید ہے طبعِ ثانی زبان وبیان کی اس طرح کی غلطیوں سے پاک ہوگی۔

یہ بھی توقع ہے کہ عزیزِ موصوف کی اگلی علمی کاوش کا موضوع ''زکوۃ اور اس کے مصارف'' ہوگا، اور یہ کہ ملک کے موجودہ تعلیمی وسماجی حالات کے تناظر میں آخر الذکر کا معروضی جائزہ لیں گے۔

مزید۔ بے توفیقی ہوگی اگر میں اِس کتاب کے آغاز میں شامل ایک دل پذیر اور دل گداز مضمون بہ عنوان ''رمضان المبارک کیسے گزاریں؟'' کا ذکرِ خیر نہ کروں۔ مولانا محمد طاہر مدنی (ناظمِ جامعۃ الفلاح) کی خدمت میں جگر مرادآبادی کا یہ شعر پیش ہے ۔

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچ آتے ہیں اے واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے، مانی نہیں جاتی

آپ کے خطوط

ابو عبداللہ، نئی دہلی

برادر عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اکتوبر ۲۰۱۶ء کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ کوشش اچھی ہے۔ ڈاکٹر عبید اللہ فہد کا مضمون ''ہفتہ وار الہلال اور اس کی عصری معنویت'' قابل مطالعہ ہے۔

اسی طرح جاوید سلطان خاں فلاحی کے ساتھ نشست میں جو فیصلے لیے گئے، اگر ان پر عمل ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہوگی۔

تاریخ جامعۃ الفلاح کے سلسلہ میں استاذ محترم مولانا ظفر احمد اثری کی ''چند وضاحتیں اور ملاحظات'' بہت اہم ہیں، ان پر غور ہونا چاہیے۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ دور اول کے جو بزرگ (طلبہ، اساتذہ یا عام لوگ) رہ گئے ہیں ان سب کو سوالنامہ مرتب کر کے دے دیا جاتا۔ اور مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب، مولانا محمد عیسیٰ صاحب، ڈاکٹر خلیل احمد صاحب، منشی محمد انور صاحب اور مولانا محمد عمران فلاحی صاحب کے خیالات معلوم کیے جاتے۔

برادر ڈاکٹر عبدالقوی فلاحی کا مضمون 'ہمارے زمانے کا جامعہ' اچھا ہے۔ البتہ ایک چیز میں ذرا مبالغہ محسوس ہوتا ہے۔ ایمرجنسی کے زمانے میں جامعہ سے صرف ایک استاذ مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب اور ناظم جامعہ مولانا محمد عیسیٰ صاحب کو سنت یوسفی ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ مولانا محمد عیسیٰ صاحب کو جلد ہی ضمانت مل گئی تھی۔ جامعہ میں نہ سناٹا چھایا تھا، نہ اساتذہ وطلبہ پر ہیبت طاری تھی۔ بلکہ اس دور میں طلبہ کے جوش وخروش کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے اپنی ایک تنظیم بھی بنائی تھی۔ اس زمانے میں مولانا شبیر احمد اصلاحی صاحب صدر مدرس تھے۔ وہ حسب سابق صدارتی فرائض انجام دیتے رہے، مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب باہر تھے۔ معمول کے مطابق یہ لوگ سارا کام کرتے رہے۔ یہ بات کہ ''مولانا رحمت اللہ اثری صاحب ایمرجنسی کے دوران نظامت وصدارت کی ساری ذمہ داریاں نبھاتے رہے'' صحیح نہیں ہے۔ بلاشبہ مولانا رحمت اللہ اثری صاحب، مولانا سلامت اللہ اصلاحی صاحب اور مولانا محمد عمران فلاحی

صاحب ان اساتذہ میں سرفہرست ہیں جو ہر دور میں جامعہ کی ہر ممکن خدمت کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالی ان کی قربانیاں قبول فرمائے اور انہیں صحت وعافیت سے نوازے۔

عمر افضل، امریکہ

برادرم وعزیزم! سلام مسنون

تازہ حیات نو ارسال کرنے کے لیے شکریہ۔

حیات نو کا ہر نیا شمارہ ان ایام کی یاد تازہ کردیتا ہے جب میں مولانا امانت اللہ اصلاحی صاحب کے ساتھ رامپور کی درسگاہ اسلامی (زیر اہتمام جماعت اسلامی ہند) میں طالب علم تھا۔ اب تو اکثر باتیں خواب وخیال ہوتی جارہی ہیں۔

وہاں مولانا جلیل احسن ندویؒ سے بھی شاگردی کا مجھے شرف حاصل ہے، بلکہ ان کی کتاب ''راہ عمل'' کولکھوانے اور الحسنات سے شائع کرانے کا شرف بھی مجھے ہی حاصل ہوا۔

تازہ شمارے میں شامل بہت سے ناموں سے میری بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔

اگر حال میں آپ کا رامپور جانا ہو، تو وہاں کے حال احوال سے متعارف کرایئے گا۔

دسمبر یا جنوری میں انڈیا آنے کا ارادہ بن رہا ہے، مگر اسی صورت میں کہ میری مشکلیں کچھ آسان ہوجائیں، بلکہ ابھی تو پہلی فرصت میں پاسپورٹ بنوانا ہے۔

سب کو سلام عرض کریں۔

محمد ثاقب، متحدہ عرب امارات

حیات نو کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ بہت خوب جزاکم اللہ۔

ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی کا مضمون مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال سے متعلق کافی اہم اور مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی اہم اور کارآمد ہیں۔ اردو تراجم قرآن والا سلسلہ بہت ہی قیمتی ہے۔ اس چیز کو مدارس کے اساتذہ بالخصوص اساتذہ تفاسیر تک پہنچانے کا کسی طرح نظم ہوجائے تو بڑی خدمت ہوگی، ان شاءاللہ۔

احباب کی خدمت میں سلام اور دعائیں۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبۂ اعلیٰ، جامعۃ الفلاح

ریفریشر کورس برائے معلمین ومعلمات

۲۵ر ستمبر ۲۰۱۶ء بروز یک شنبہ ابواللیث ہال میں ایک پروگرام ''ریفریشر کورس برائے معلمین و معلمات'' منعقد ہوا۔ قاری محمد زاہد قاسمی صاحب کی تلاوت سے پروگرام کا آغاز ہوا۔

مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی نے افتتاحی گفتگو میں فرمایا کہ جامعۃ الفلاح نصاب تعلیم کے لحاظ سے بہت ہی ممتاز ادارہ ہے کیونکہ اس کا نصاب جدید وقدیم علوم کا سنگم ہے جس میں اردو، عربی، فارسی، ہندی اور انگریزی بھی داخل ہے، اور یہاں ہر چیز میں اختصار ہے۔

''مدرسین کے اوصاف'' پر نائب ناظم جامعہ مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ عملی تعلیم میں تین اہم چیزیں ہیں:

(۱) تعلیم (۲) معلم (۳) متعلم۔

ان تینوں میں سب سے اہم ذمہ داری معلم کی ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ معلمین کا درج ذیل اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے:

(۱) معلم کو اپنی پہچان ہو (۲) مقصد کا استحضار ہو (۳) احساس مسئولیت ہو (۴) وقت کی پابندی (۵) نظم کی پابندی (۶) متعلم کے لیے اسوہ ہو۔

''طریقۂ تدریس'' کے عنوان پر جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم کے تین مراحل ہیں (۱) مکتب (۲) مدرسہ (۳) جامعہ۔ جب تک معلم کے اندر'' لعلك باخع نفسك علىٰ آثارهم ۔۔۔'' والی صفت نہ پیدا ہو اس وقت تک وہ صحیح معلم نہیں ہوسکتا۔

صدارتی خطاب میں ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے فرمایا کہ اس پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کا نظام بہتر ہوسکے۔

دوسرا سیشن نمونے کے سبق کے لیے تھا جس میں درج ذیل اساتذہ نے نمونہ کے سبق پر گفتگو کی:

اساتذہ	مضمون	درجہ
جناب مولانا عبدالعظیم صاحب	کلیلہ ودمنہ	عربی سوم طلبہ
جناب مولانا جمیل احمد فلاحی صاحب	نحو	عربی دوم طلبہ
ناب مولانا رئیس احمد فلاحی صاحب	قرآن مجید	عربی سوم طلبہ
جناب مولانا ارشاد احمد صاحب	ناظرۂ قرآن مجید	ابتدائی طلبہ
جناب ماسٹر فرید احمد صاحب	ریاضی	ابتدائی طلبہ

۲۶ر ستمبر کو تیسرے سیشن میں درج ذیل نمونے کے سبق ہوئے:

محترمہ شگفتہ صاحبہ	نحو	عربی سوم طالبات
محترمہ آسیہ صاحبہ	قرآن مجید	عربی چہارم طالبات
محترمہ عارفہ صاحبہ	عربی ادب	عربی پنجم طالبات

شعبہ اعلیٰ کے طلبہ وطالبات کے نمونے کے سبق مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئے جبکہ ابتدائی وثانوی کے نمونے کے سبق جناب ماسٹر سید عبداللہ صاحب کی زیر صدارت ہوئے۔

کلمۂ تشکر صدر مدرس جناب مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب نے پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ جو بھی کام کریں پوری محنت اور لگن سے کریں۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے انجام دیئے۔

جناب ضیاء الحسن عثمانی صاحب کا خطاب

۲۸ر ستمبر ۲۰۱۶ء بروز چہار شنبہ ابواللیث ہال میں جناب ضیاء الحسن عثمانی صاحب (لکھنؤ) کا خطاب ہوا۔ ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے مہمان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ آپ القرآن انسٹی ٹیوٹ کے ذمہ دار ہیں، یہ ایک دعوتی ادارہ ہے، ہندی ترجمہ قرآن کو غیر مسلموں میں تقسیم کا کام اس ادارہ میں ہورہا ہے۔ آپ کی کئی کتابیں ہیں۔ آبائی وطن فتح پور ڈھلئی ہے، تیس پینتیس ممالک کا آپ نے سفر کیا ہے، جامعۃ الفلاح کے آپ بہت خیر خواہ ہیں۔

مہمان خصوصی جناب ضیاء الحسن عثمانی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ جامعہ کی ایک خصوصیت

یہ ہے کہ اس کے فارغین دعوتی میدان میں اہم کام کررہے ہیں اس لیے مجھے اس ادارہ سے خصوصی لگاؤ ہے۔موصوف نے فرمایا کہ میرا تعلق ایک ایسے ادارے سے ہے جہاں سے ترجمۂ قرآن کی تقسیم پر کام ہورہا ہے، تقریباً سات زبان میں قرآن کا ترجمہ القرآن انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع ہو چکا ہے۔آپ سے یہی کہوں گا کہ آپ بھی اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور دعوتی میدان میں آگے آئیں۔

جمعیۃ الطلبہ کا نعتیہ مسابقہ

۲۹؍ستمبر ۲۰۱۶ء بروز پنج شنبہ بعد نماز مغرب ابواللیث ہال میں ایک نعتیہ مقابلہ جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے ہوا۔اس مسابقہ میں ۳۱؍طلبہ نے شرکت کی جس میں حفظ وثانوی اور شعبہ اعلیٰ کے طلبہ بھی شامل تھے۔تمام ہی شریک طلبہ کو تشجیعی انعامات سے نوازا گیا۔جبکہ ممتاز دس طلبہ کو الگ سے انعامات سے نوازا گیا،اس مسابقہ میں درج ذیل طلبہ نے پوزیشن حاصل کی:

نام	درجہ	پوزیشن
محمد التمش	درجہ ہشتم	I
اسامہ احسن	عربی دوم	II
اظہر حیدر	عربی سوم	III

حکم کے فرائض جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب اور مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے انجام دیئے۔

بنگلور سے آئے وفد کا خطاب

۲۹؍ستمبر ۲۰۱۶ء بروز پنج شنبہ ابواللیث ہال میں بنگلور سے آئے ہوئے وفد کا پروگرام ہوا۔جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے شبیر احمد صاحب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ آپ جماعت اسلامی کرناٹک کی صوبائی مجلس شوریٰ کے ممبر ہیں۔

مہمان خصوصی جناب شبیر احمد صاحب نے اپنی گفتگو میں کہا کہ لوگ کہتے ہیں دنیا ترقی کررہی ہے لیکن جو چیزیں دنیا کے سامنے آئیں ان کے پس پشت کیا ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے،مثلاً موبائل کو عام کیا گیا ہے پھر سستا کیا گیا دنیا اس کے پیچھے دوڑ پڑی اب ہر ایک کے پاس موبائل ہے آپ ایس ایم ایس کریں گے پہلے ایس ایم ایس نیویارک جائے گا پھر جہاں آپ بھیجیں گے وہاں پہونچے گا۔آپ کی ہر چیز دنیا کے سامنے ہے کس طرح مغرب مسلمانوں کو دھوکہ دے کر آگے بڑھا ہے۔ٹیپو سلطان نے

راکٹ کی ابتداء کی اس کی ساری چیزیں یوکے میں موجود ہیں لیکن ٹیپو سلطان کا کہیں نام نہیں۔اس لیے طلبہ صرف کتابی علم کی حد تک نہیں بلکہ مہارت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

انہوں نے کہا کہ امت وسط کے ناطے ہم پر بہت سی ذمہ داریاں ہیں اس کے لیے کوشش کریں، انسان اپنے آپ کو خسارے سے اسی وقت بچا سکتا ہے جب وہ ایمان،عمل صالح،تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سے آراستہ ہو۔

دارالعلوم دیوبند کے استاد حضرت مولانا فریدالدین قاسمی صاحب کی تذکیر

یکم اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں مولانا فریدالدین قاسمی صاحب کی ایک تذکیر ہوئی۔ آپ کا تعارف کراتے ہوئے ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے فرمایا کہ آپ جھارکھنڈ کے رہنے والے ہیں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند وقف میں تقریباً ۳۳ رسال سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔آپ حدیث وادب کے استاد ہیں۔آپ نے سنن نسائی کی شرح بھی لکھی ہے۔

مہمان خصوصی جناب مولانا فریدالدین قاسمی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ میں اس ادارہ کا نام کافی دنوں سے سن رہا تھا، آج میں یہاں آپ کے سامنے روبرو ہوں۔پھر آپ نے فرمایا کہ قرآن وسنت کے علوم سے ہم دنیا میں فوقیت حاصل کر سکتے ہیں البتہ دوسرے علوم بھی ہم حاصل کریں لیکن وہ علوم صرف دنیا تک محدود ہیں معرفت حق حاصل کرنے کے لیے علم دین حاصل کریں بغیر علم کے معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ کو کیسے پہچانا تو جواب دیا کہ شہتوت کے پتے سے لوگوں نے کہا کہ کیسے؟ فرمایا اس پتے کو جب بکری کھاتی ہے تو دودھ بنتا ہے، ریشم کا کیڑا جب کھائے گا تو ریشم بنے گا، معلوم ہوا کہ تغیر وتبدل کرنے والی کوئی دوسری ذات ہے اور اس طرح سے میں نے اللہ کو پہچانا۔آج مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس لیے ہم کو جو موقع ملا ہے اسے ضائع نہ ہونے دیں، علم کے ذریعے اکرام وعزت ملتی ہے، علم سے دوسری مخلوقات پر فوقیت حاصل ہوتی ہے، اس لیے آپ علم کے حصول میں خوب محنت کریں۔

فارغین مدارس کے معاشی مسائل، مشکلات وامکانات
معیشت میڈیا کے ڈائرکٹر دانش ریاض کا جامعہ میں توسیعی لکچر

''مدارس کے طلبہ دوران تعلیم اگر عربی وانگریزی زبان وادب کے ساتھ اردو و ہندی زبان کی

استعداد بہم پہنچالیں تو فراغت کے بعد ان کے سامنے وسیع میدان کے دروازے کھل جاتے ہیں، کیونکہ وہ کارپوریٹ کمپنیوں کے ساتھ کارپوریٹ میڈیا میں بھی اپنی قسمت آزما سکتے ہیں''۔

ان خیالات کا اظہار ممبئی سے جامعۃ الفلاح (اعظم گڈھ) تشریف لائے معیشت میڈیا کے مینجنگ ڈائرکٹر دانش ریاض نے اپنے توسیعی خطاب میں کیا۔

انہوں نے ابواللیث ہال میں موجود اساتذہ وطلبہ کو''فارغین مدارس کے معاشی مسائل، رجحانات، مشکلات وامکانات'' پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

''مدارس کے طلبہ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں بلکہ بزنس کے بعض سیکٹر تو ایسے ہیں جہاں صرف اور صرف علماء کرام کی ہی ضرورت ہے۔''

انہوں نے اسلامی بینکنگ، حلال مارکیٹ، حج وعمرہ جیسے بزنس کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ تو چند مثالیں ہیں جہاں آپ کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ دنیا میں کارپوریٹ ریلیشنس، ٹورزم ومیڈیکل ٹورزم کا ایسا کاروبار شروع ہوا ہے جس میں عربی مدارس کے طلبہ اپنی قسمت آزما سکتے ہیں۔ ترجمہ نگاری، کنٹنٹ رائٹنگ، ملٹی نیشنل کمپنیوں میں کوآرڈینیٹر، کے ساتھ ساتھ سفارت خانہ وقونصل خانہ میں ملازمت کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ

''ان تمام جگہوں پر مدارس کے فارغین کام کررہے ہیں، اور یہ ادارے ایسے فارغین کی تلاش میں رہتے ہیں جو زبان وبیان پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے مزاج ومعاشرت سے ہم آہنگ ہو۔''

گوگل کی مثال پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ''مدارس کے طلبہ گوگل جیسی کمپنی میں بطور ترجمہ نگار کام کررہے ہیں۔ اسی طرح بعض ملٹی نیشنل کمپنیاں ترجمہ نگاروں کی تلاش میں مصروف رہتی ہیں اگر مدارس کے طلبہ شروع سے ہی تیاری کریں تو فراغت کے بعد انہیں کسی طرح کے معاشی مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا بلکہ اپنی پسند سے وہ کمپنیوں کا انتخاب کر سکتے ہیں''۔

واضح رہے کہ جامعۃ الفلاح کے ناظم مولانا محمد طاہر مدنی نے دانش ریاض کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ''انہوں اسی مدرسے سے ثانوی کے بعد عالمیت وفضیلت کی تعلیم مکمل کی ہے اور خوشی کی بات ہے کہ میڈیا کے فیلڈ میں انہوں اپنا الگ مقام بنایا ہے۔'' مولانا نے کہا کہ''جب اپنا کوئی طالب علم کسی بلندی پر پہنچتا ہے تو ذمہ داران جامعہ کے ساتھ اساتذہ جامعہ کو سب سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ ہمارا ہی طالب علم ایک ایسے موضوع پر گفتگو کرنے جارہا ہے جس پر کم کم ہی گفتگو کی جاتی ہے۔''

جناب ظفر اللہ خاں کا طلبہ جامعہ سے خطاب

۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں جناب ظفر اللہ خاں کی ایک تذکیر ہوئی۔ مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے آپ کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ آپ کا تعلق حیدرآباد سے ہے۔ پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں۔ جامعہ کے قدیم بہی خواہ ہیں۔

مہمان خصوصی نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ جسم میں سب سے اہم چیز عقل ہے۔ دنیا کے سامنے ہمیں سونے چاندی سے بھی زیادہ چمکنا ہے۔ اسلامی تعلیمات کو عام کرنا ہے۔ جس طرح عطر لگا کر جب انسان گزرتا ہے تو لوگ اس کی خوشبو کو محسوس کرتے ہیں۔ ہم اسلام کے ایسے علمبردار بنیں کہ لوگ ہماری طرف رجوع کریں۔ آج تحقیق وجستجو میں ہم لوگ پیچھے ہیں دوسرے لوگ تحقیق کے میدان میں آگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت میں کامیاب بنائے۔

ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے کلمۂ تشکر پیش کیا۔

تقسیم انعامات کی تقریبات

۱۱/ اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں تقسیم انعامات کی ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں حفظ حدیث کے مسابقہ میں اول، دوم، سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا، انعامات کی تقسیم مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب کے بدست ہوئی۔ درج ذیل طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا:

نام	درجہ	پوزیشن
محمد اسماعیل حامدی	عربی سوم	اول
محمد امین کشمیری	عربی پنجم	اول
ذیشان احمد	عربی سوم	دوم
کفایت خان	عربی پنجم	دوم
عبداللہ عیسیٰ	عربی چہارم	سوم
محمد ناصر	عربی پنجم	تشجیعی
محمد حارث ممتاز	عربی پنجم	تشجیعی

محمد ریان	عربی پنجم	تشجیعی

۱۳/اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز چہار شنبہ ابواللیث ہال میں تحفۃ الاعراب پر منعقد مسابقہ کے لیے تقسیم انعامات کا پروگرام منعقد ہوا، جس میں درج ذیل طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا:

نام	درجہ	سکونت
محمد عارف سردار فلاحی	اس وقت جامعہ میں استاد ہیں	پرتاب گڑھ، یوپی
محمد ریاض	عربی ششم	اناؤ، یوپی
عبداللہ امین	عربی پنجم	گیا، بہار
محمد اشہد	عربی پنجم	جونپور، یوپی
محمد اطہر	عربی پنجم	دہلی
محمد امجد	عربی پنجم	بستی، یوپی

جناب مولانا شعیب احمد ندوی مدنی صاحب کو صدمہ

۲۵/ستمبر ۲۰۱۶ء بروز یک شنبہ صبح چار بجے مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ۱۹۲۷ء میں مرحوم کی ولادت ہوئی تھی اور ۱۹۵۱ء میں ہندوستان کی مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت حاصل کی۔ پھر وہیں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ تقریباً ۶۴/سال تک ندوہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ فتاویٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تین جلدیں آپ کی نگرانی میں طبع ہوئیں۔ آپ تواضع، حلم، خوش مزاجی، ملنساری کی صفات کے ساتھ ہی ساتھ ہر ایک کے کام آنے والے تھے۔ سادہ لباس پہنتے تھے۔ بڑے ہی متقی و پرہیز گار تھے۔ جامعہ سے آپ کا تعلق بڑا گہرا تھا۔ متعدد بار جامعہ تشریف لائے، طلبہ واساتذہ سے خطاب کیا، جامعہ کو مفید مشوروں سے نوازا۔ ندوہ میں کامیاب استاذ کے ساتھ نائب مہتمم ونائب ناظم کے منصب پر تھے۔ پسماندگان میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادے جناب مولانا شعیب احمد ندوی مدنی صاحب جامعہ میں ایک عرصے سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں بلند مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے (آمین)